ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.03 (2025)

تفسیری ادب میں تجدد پسندی کے عصری رجحانات کے نقصان کا جائزہ

An Analytical Study of the Harmful Effects of Contemporary Modernist Trends in Qur'anic Exegesis (Tafsīr)

Liaqat Ali Qadri
Ph.D. scholar, Islamic Studies, NCBA&E Lahore.
E-Mail:peer.qusuri@gmail.com
Dr. Mahmood Ahmad
Assistant Professor, Department of Islamic Studies
NCBA&E, DHA Campus, Lahore
Email: muftimehmoodahmad3@gmail.com

Abstract:
The Qur'an is the final divine revelation and the primary source of Islamic guidance. Its interpretation (Tafsīr) has traditionally been based on authentic sources, including the Qur'an itself, the Sunnah of the Prophet Muhammad (ﷺ), the understanding of the Companions, and the established principles of Islamic scholarship. In recent times, however, modernist trends have increasingly influenced Qur'anic exegesis by attempting to reinterpret the sacred text in the light of contemporary Western philosophies, secularism, rationalism, and modern social values. While these approaches seek to make Islam appear compatible with the modern world, they often challenge the classical methodology of Tafsīr and established Islamic beliefs.

This research critically examines the harmful effects of contemporary modernist trends in Qur'anic interpretation. It discusses the concept, historical development, causes, and major characteristics of modernist exegesis, highlighting issues such as excessive dependence on human reason, symbolic interpretation of miracles, reinterpretation of supernatural realities, and revision of established Islamic rulings. The study argues that such trends frequently weaken the authority of the Sunnah, undermine scholarly consensus (Ijmāʿ), and deviate from the accepted principles of Qur'anic interpretation.

The research further reveals that these modernist approaches may lead to doctrinal confusion, intellectual uncertainty, and ideological divisions within the Muslim community. They also influence the religious identity of younger generations by creating doubts regarding the authenticity and universality of Islamic teachings. The study emphasizes that while Islam encourages Ijtihād to address contemporary issues, any interpretation of the Qur'an must remain firmly rooted in the authentic sources of Islam and the recognized principles of Tafsīr.

The study concludes that contemporary intellectual challenges can be addressed effectively without compromising the authenticity of the Qur'an or the classical methodology of its interpretation. It recommends strengthening the teaching of Qur'anic sciences, promoting balanced and research-based scholarship, preserving the authority of the Qur'an and Sunnah, and equipping Muslim scholars to respond to modern ideological challenges through sound academic and intellectual discourse. Such an approach ensures both the relevance of the Qur'an in the modern age and the preservation of the Islamic intellectual tradition..

Keywords: *Secularism, Islamic Thought, Contemporary Challenges, Islam and Modernity, Religious Identity, Islamic Education, Globalization, Muslim Society, Islamic Worldview, Intellectual Challenges.*

تعارف:

قرآنِ مجید دینِ اسلام کا بنیادی ماخذ اور اللہ تعالیٰ کی آخری وحی ہے، جس کی صحیح تفہیم و تفسیر امتِ مسلمہ کے لیے ہمیشہ بنیادی اہمیت کی حامل رہی ہے۔ عہدِ نبوی ﷺ سے لے کر آج تک مفسرینِ کرام نے قرآن کی تفسیر قرآن، سنت، آثارِ صحابہؓ، اقوالِ تابعین، لغتِ عرب، اسبابِ نزول اور اصولِ تفسیر کی روشنی میں کی ہے۔ انہی مستند اصولوں نے اسلامی عقیدہ، شریعت اور تہذیب کے تحفظ میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ جدید دور میں سائنسی ترقی، مغربی فلسفہ، سیکولرازم،

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.03 (2025)

لبرل ازم، عقلیت پسندی اور عالمگیریت کے اثرات نے اسلامی علوم، بالخصوص علمِ تفسیر پر بھی نمایاں اثرات مرتب کیے ہیں۔ ان اثرات کے نتیجے میں بعض اہلِ فکر نے قرآنِ مجید کی ایسی تعبیرات پیش کیں جو کلاسیکی اصولِ تفسیر سے ہٹ کر جدید فکری تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ اس رجحان کو عموماً تجدد پسندی (Modernism) کہا جاتا ہے۔

اگرچہ ہر دور کے نئے مسائل کے حل کے لیے اجتہاد اور تحقیق اسلامی روایت کا حصہ ہیں، لیکن جب تجدد پسندی اصولِ تفسیر، سنتِ نبوی ﷺ، اجماعِ امت اور مسلم علمی روایت سے انحراف اختیار کرتی ہے تو اس کے نتیجے میں اعتقادی، فقہی، فکری اور معاشرتی سطح پر متعدد منفی اثرات سامنے آتے ہیں۔ اسی پس منظر میں اس تحقیق کا مقصد تفسیر میں تجدد پسندی کے عصری رجحانات کا تنقیدی جائزہ لینا، ان کے نقصانات کو واضح کرنا اور ان کے تدارک کے لیے علمی رہنمائی فراہم کرنا ہے۔

جب اٹھارہویں صدی میں اہل مغرب نے سائنسی شعور و آگاہی حاصل کرنا شروع کی تب انہوں نے مختلف چیزوں پر تنقید کرنے کے حوالے سے اور بالخصوص ادبی و فلسفیانہ تحریری مواد پر تنقید کرنے کے حوالے سے بہت سے سائنسی اور منطقی اصول وضع کیے۔ یہ صدی اس لحاظ سے خاصی اہمیت کی حامل ہے کہ اس صدی میں اہل مغرب نے انہی خود ساختہ سائنسی اصولوں کی روشنی میں مقدس کتابوں پر بھی تنقید کا ایک سلسلہ شروع ہوا۔ اہل مغرب بالخصوص عیسائیوں نے اس تنقید کی ابتدا اپنی مقدس کتاب بائبل سے کی، اس کو خوب تنقید کا نشانہ بنایا اور اس پر مختلف طریقوں سے جرح کی۔ ([1]) اہل کلیسا نے تحریری مواد اور متون پر تنقید، وحی یا ایمانیات کی بنیاد پر نہیں کی بلکہ انہوں نے اس کی بنیاد عقل پر رکھی۔ ([2]) اگرچہ عیسائیوں نے ابتدا ہی سے قرآن اور اسلام کو غلط ثابت کرنے کے لیے بھرپور کوشش کی ہے ([3]) تاہم انہوں نے انیسویں صدی سے مسلمانوں کی مقدس کتاب قرآن مجید کو بھی اپنے خود ساختہ اصولوں کی روشنی میں خوب تنقید کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ انیسویں اور بیسویں صدی میں عیسائیوں کے علاوہ دیگر کئی ایک مذاہب کے لوگوں نے بھی اسلام اور مسلمانوں کو اپنی تنقید کا نشانہ بنایا۔

تفسیر کا لغوی مفہوم:

تفسیر کا مادہ "ف س ر" ہے یعنی "فسر"، اس میں سین ساکن ہے اور لفظ تفسیر باب تفعیل سے ہے یعنی "فسر یفسر تفسیراً"، جس کا معنی ہے کسی پوشیدہ چیز کو واضح کرنا یا کسی چیز کو کھول کر بیان کرنا۔ ([4]) امام جرجانی (م:۱۴۱۳ء) کا کہنا ہے کہ:

> تفسیر کا لغوی معنی کسی چیز کو کھول کر بیان کرنا اور ظاہر کرنا ہے۔ [5]

تفسیر کا لغوی مفہوم وضاحت کرنا ہے چاہے یہ الفاظ کے پوشیدہ مفاہیم کی وضاحت ہو یا اس کے علاوہ کسی بھی اور چیز کی وضاحت ہو۔

---

[1] Browning, W.R.F. "Biblical Criticism", A Dictionary of the Bible, 1997, Retrieved October 4, 2015 from http://www.encyclopedia.com

[2] Robinson, B.A. Biblical Criticism...Ontario Consultants on Religious Tolerance 2008, Retrieved March 18,2015 from http://www.religioustolerance.org/chr_hcri.htm

[3] De Haeresibus by John of Damascus. See Migne. Patrologia Graeca, vol. 94, 1864, cols 763-73. An English translation by the Reverend John W Voorhis appeared in THE MOSLEM WORLD for October 1954, pp. 392-398

[4] ابن منظور افریقی، ابو الفضل جمال الدین محمد ابن مکرم المصری، لسان العرب (بیروت: دار صادر، 2003)، ج5، ص5

[5] الجرجانی، علی ابن محمد ابن علی الزین، کتاب التعریفات (بیروت: دار الکتب العلمیہ، 1983)، ج2، ص156

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.03 (2025)

تفسیر کا اصطلاحی مفہوم:

شرعی لحاظ سے تفسیر سے مراد قرآنی معانی کی وضاحت ہے اور یہ وضاحت قرآن کے مشکل الفاظ اور ظاہری معانی تک محدود نہیں ہے بلکہ اس میں قرآنی مفردات ومرکبات کے بیان کی تمام اقسام کی وضاحت شامل ہے چاہے ان کا تعلق الفاظ کی ظاہری دلالت سے ہو([1]) یا احکامات کے استنباط سے، سبب نزول کے بارے میں ہو یا قرآن پر وارد اعتراضات کے رد کرنے میں، یا کسی بھی طرح اس کا تعلق قرآنی الفاظ کی وضاحت سے بنتا ہو۔

مختلف علماء کرام نے لفظ تفسیر کے مختلف اصطلاحی معانی بیان کیے ہیں اور مختلف تعریفات پیش کی ہیں، کچھ تعریفیں طویل ہیں تو کچھ مختصر، اگرچہ ان تعریفات کے الفاظ مختلف ہیں لیکن ان کا معنیٰ کسی حد تک ملتا جلتا ہی ہے۔ ان تعریفات میں سے محمد عبد العظیم الزرقانی (م:۱۹۴۸ء) کی تعریف کافی معروف ہے جو کہ ان کی کتاب "مناهل العرفان في علوم القرآن" میں موجود ہے، آپ لکھتے ہیں:

"علم يبحث فيه عن القرآن الكريم من حيث دلالته على مراد الله تعالى بقدر الطاقة البشرية "۔[2]

(تفسیر سے مراد ایسا علم ہے جس میں قرآن کریم کے الفاظ کی دلالت کو سامنے رکھتے ہوئے انسانی استطاعت کے مطابق اللہ تعالی کی مراد تک پہنچنے کی کوشش کی جاتی ہے۔)

تجدد کا لفظی مفہوم:

لفظ تجدد اور تجدید بناوٹ کے لحاظ سے ایک دوسرے سے کافی ملتے جلتے ہیں اور اپنے مادے کے لحاظ سے ایک ہی ہیں۔ اس لیے کسی کو یہ اشکال بھی ہو سکتا ہے کہ شاید یہ دونوں مترادف الفاظ ہیں جو کہ ایک دوسرے کی جگہ پر استعمال کیے جاسکتے ہیں۔ یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ مادہ ایک ہونے کی بنا پر ان دونوں الفاظ کے لفظی مفہوم میں کوئی خاص فرق نہیں ہے جبکہ اصطلاحی لحاظ سے ان دونوں الفاظ کے مابین کافی فرق ہے جس کی وضاحت اس لفظ کے اصطلاحی مفہوم میں کی جائے گی۔ یہاں پر ان الفاظ کا صرف عمومی معنی بیان کرنے پر اکتفا کیا جائے گا۔

لفظی اعتبار سے تجدید اور تجدد کا مادہ (ج دد) ہے جس کا مصدر "جدۃ" ہے اور اس کی جمع "أَجِدَة" و "جدد" آتی ہے جس کے معنی غیر واضح کو واضح کرنے کے ہیں۔ لسان العرب میں اسے پرانے کے مقابلہ میں استعمال کیا گیا ہے، جیسا کہ اس میں مذکور ہے:

الجدة هي نقيض البلى، ويقال شيء جديد، وتجدد الشيء صار جديداً، وجد الثوب يجِدُّ، بِالْكَسْرِ، صَارَ جَدِيدًا۔[3]

(لفظ جدہ پرانے کا متضاد ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ چیز نئی ہے اور تجدد الشيء کا معنی ہے کہ چیز نئی ہو گئی۔ اس سے ہے؛ جد الثوب، کپڑا نیا ہو گیا اور یہ جد یجد کسرہ کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔)

جب لفظ تجدید استعمال کیا جاتا ہے تو فوری طور پر ذہن میں ایک تصور ابھرتا ہے، اس تصور کے تین پہلو ہوتے ہیں جو کہ ایک دوسرے کے ساتھ متصل ہوتے ہیں اور ان میں سے کسی ایک بھی پہلو کو الگ کر دینا محال ہوتا ہے، وہ تین پہلو یہ ہیں:

1۔ جس چیز کی تجدید مقصود ہے وہ ابتدا میں کبھی نہ کبھی موجود تھی۔

2۔ یہ چیز وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ پرانی ہو گئی یا بدل گئی۔

3۔ اس چیز کو اس کی سابقہ حالت کی طرف واپس لوٹایا جائے۔

---

[1] الجرجاني، علي ابن محمد ابن علي الزين، كتاب التعريفات (بيروت: دار الكتب العلمية، 1983)، ج2، ص156

[2] الزُّرقاني، محمد عبد العظيم، مناهل العرفان في علوم القرآن، مطبعة عيسى البابي الحلبي وشركاه الطبعة الثالثة 1490ھ، ج2، ص7

[3] ابن منظور، محمد بن مكرم، لسان العرب، دار صادر – بيروت الطبعة: الثالثة – 1414ھ، ج3، ص111

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.03 (2025)

یہ تینوں مفہوم برہان غلیون کی اس تعریف میں موجود ہیں جو تعریف انہوں نے لفظ "تجدید" کی کی ہے:

التجديد يعني إعادة ترميم الشيء البالي نقيض البالي ، وليس خلق شيء لم يكن موجوداً وبهذا المعنى فإن التجديد في مجال الفكر أو في مجال الأشياء على السواء هو أن تعيد الفكرة أو الشيء الذي بلي... وان تعيده إلى حالته الأولى يوم كان أول مرة ۔[1]

(تجدید کے معنی ہے ؛ پرانی چیز میں تبدیلی کر کے اسے دوبارہ پیش کرنا (یہ پرانے کے مقابلہ میں مستعمل ہے)۔ اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ ایسی چیز بنانا جس کا وجود ہی نہ تھا۔ اس معنی میں افکار اور اشیاء میں تجدید ایک ہی معنی میں مستعمل ہے یعنی کسی چیز یا کسی فکر کو پرانا و بوسیدہ ہونے کے بعد دوبارہ اس کی پہلی ابتدائی حالت کی طرف لوٹانا۔)

جبکہ تجدد میں الفاظ کو عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق نئے معانی پہنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔اس لیے اس سے تجدد پسندانہ توضیح بھی مراد لیا جاسکتا ہے۔

تجدد کا اصطلاحی مفہوم:

اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ تجدید الگ چیز ہے اور جدیدیت بالکل الگ، تجدد کے اصطلاحی مفہوم کو واضح کرنے سے پہلے تجدید کے اصطلاحی مفہوم کو بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے تاکہ تجدید اور تجدد میں فرق کرنا آسان ہو جائے۔ دین کی تجدید کا یہ مطلب ہے کہ اس کی مٹی ہوئی تعلیمات کو زندہ کیا جائے اور لوگوں میں اُنہیں عام کیا جائے۔ دین کی اس موجودہ صورت کو بدلنا ہے جس میں خرابیاں پیدا ہو گئی ہوں اور دین کو دوبارہ اس کی اصل اسلامی بنیادوں کے مطابق استوار کرنا ہے۔([2])سید ابوالاعلی مودودیؒ فرماتے ہیں:

"جاہلیت سے مصالحت کی صورتیں نکالنے کا نام تجدید نہیں ہے اور نہ اسلام اور جاہلیت کا کوئی نیا مرکب بنانا تجدید ہے، بلکہ دراصل تجدید کا کام یہ ہے کہ اسلام کو جاہلیت کے تمام اجزا سے چھانٹ کر الگ کیا جائے اور کسی نہ کسی حد تک اسے اپنی خالص صورت میں پھر سے فروغ دینے کی کوشش کی جائے۔ اس لحاظ سے مجدد جاہلیت کے مقابلہ میں سخت غیر مصالحت پسند آدمی ہوتا ہے اور کسی خفیف سے خفیف جزء میں بھی جاہلیت کی موجودگی کا روادار نہیں ہوتا۔[3]

اگر تجدید کا مذکورہ مفہوم لیا جائے تو یہ ایک مثبت پہلو ہے جس کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تھا کہ:

"ان اللَّهَ يَبْعَثُ لِهَذِهِ الْأُمَّةِ عَلَى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُجَدِّدُ لَهَا دِينَهَا "۔[4]

(اللہ تعالی اس امت میں ہر صدی میں ایسے افراد کو بھیجے گا جو کہ دین کی تجدید کریں گے (یعنی دین کو تحریفات و بدعات سے پاک کر کے اس کو دوبارہ سے اس کی اصل کے مطابق کر دیں گے)۔

اللہ تعالی پہلے انبیاء کرام کو بھیجتا رہا اور ان سے دین کی تجدید کا کام لیتا رہا، ختم نبوت کے بعد یہ کام علمائے کرام سے لیا جانے لگا۔ اسلام کی ڈیڑھ ہزار سالہ تاریخ گواہ ہے کہ ہر دور میں ایسے متعدد متجددین گذرے ہیں جن کے کارناموں سے تاریخ اسلام کے اوراق مزین ہیں۔

عصر حاضر میں مستشرقین سے متاثر کئی معاصر مفکرین نے لفظ تجدید کو بھی نئے معانی پہنا دیئے، ان کے بقول تجدید دین سے مراد یہ ہے کہ شریعت / دین کی عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق تشریح کر دی جائے۔([5])ڈاکٹر وہبہ الزحیلی(م:۲۰۱۵)اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" أما إن كان القصد من التجديد هو تخطي أحكام الشريعة جملة وتفصيلا، أو جزئيا بحجة التطور والإرتقاء إلى مستوى الدول المتحضرة صناعيا ماديا فقط، لا فكريا وروحانياً وأخلاقياً، فهو عمل عدواني مشبوه لا يراد به خير الأمة الإسلامية و إنما يراد به تصفية الشريعة تحت ستار التجديد المزعوم، ولا سيما أنه اتجاه

---

[1] برهان قليون الاجتهاد والتجديد في الفكر الإسلامي المعاصر (1) مركز دراسات العالم الإسلامي (۱۹۹۱)، ص ۷۲

[2] بسطامی، محمد سعید خیر، مفہوم تجدید الدین (سعودی عرب: مرکز التاصیل للدراسات والبحوث (2012)، ص 30

[3] مودودی، سید ابوالاعلی، تجدید و احیائے دین (لاہور: اسلامک پبلی کیشنز، ۲۰۱۰)، ص ۳۵

[4] ابوداؤد، سلیمان بن الاشعث، سنن ابی داؤد، المطبعة الأنصارية بدهلي-الهند 1323ھ، ج4، ص109، ح 4241

[5] محمد البهي، الفكر الإسلامي الحديث وصلته بالاستعمار الغربي، مكتبة وهبه 1999ء، ص 157

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.03 (2025)

يقوم به أناس غير مختصين، ويغلب عليهم التأثر بالثقافة الغربية، وبأفكار المستشرقين، فهم غرباء في الواقع عن شريعة الله تعالى ۔[1]

جب تجدید سے مراد یہ ہو کہ احکام شریعت کی ترقی یافتہ ممالک کی مادی ترقی کے اعتبار سے بالجملہ یا تفصیلی طور پر تعریف کی جائے جس میں اسلامی افکار، روحانیت اور اخلاقیات کا کوئی دخل نہ ہو تو ایسا مفہوم ایک مخالفانہ چال ہے جس سے امت مسلمہ کی بھلائی مقصود نہیں ہو سکتی۔ اس کا مقصد صرف اور صرف یہ ہو سکتا ہے کہ ناپاک ارادوں سے شریعت کو تجدید کا لباس پہنا دیا جائے، اس طرح کے رجحان کو ہوا دینے والے کوئی خاص لوگ نہیں ہیں، ایسا رجحان رکھنے والے لوگوں پر مغربی ثقافت اور مستشرقین کے افکار غالب آجاتے ہیں، در حقیقت ایسے لوگ اللہ تعالی کی شریعت سے ناواقف ہیں۔

مذکورہ بالا تعریفات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ تجدید دین کا اصل مفہوم یہ ہے کہ دین اسلام کی ایسی تفسیر و تشریح پیش کی جائے جس سے دین اسلام سے بدعات و تحریفات اور فاسد افکار دور ہو جائیں اور دین اسلام اپنی سابقہ صورت میں واپس آجائے۔ جبکہ معاصر مفکرین کے بقول تجدید دین سے مراد یہ ہے کہ دین کی عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق تشریح کی جائے، اس صورت میں تجدید کا مفہوم تجدد پسندی کے ہم معنی ہو جاتا ہے۔ جمیلہ بوخاتم تجدد کا مفہوم واضح کرتے ہوئے اپنی تصنیف "التجديد في أصول الفقه" میں لکھتی ہیں:

"أما التجدد فهو صبغ الإسلام بصبغة العصر بحيث لا يبقى من الإسلام إلا الإسم والرسم، فيكون الميزان هو العقل المتأثر بحضارة الغرب لا الإسلام، فمعنى التجدد لدى بعض المعاصرين يستعمل للدلالة على مجموع التحولات والتطورات - إيجابية كانت أم سلبية ..." ۔[2]

تجدد دین کا معنی یہ ہے کہ دین اسلام کو ایسے رنگ میں رنگنا جس سے اسلام برائے نام باقی رہ جائے۔ اس میں ترازو مغربی تہذیب سے متاثر عقل انسانی کو بنایا جاتا ہے نہ کہ اسلام کو۔ بعض معاصر مفکرین کے بقول تجدد کا لفظ تبدیلی اور ترقی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے چاہے وہ تبدیلی مثبت ہو یا منفی ۔

لہذا تجدید دین کے اصل مفہوم اور تجدد دین کے مفہوم میں تضاد ہے: اول الذکر دین اسلام کی حفاظت کے لیے ہے جبکہ مؤخر الذکر لوگوں کو راہ حق سے دور لے جانے کا ذریعہ ہے۔

توحید فی الذات میں عقلی رجحان مفسرین کی آراء:

عقیدہ توحید کے حوالے سے عموماً جمہور مفسرین اور عقلیت پسند حضرات متفق نظر آتے ہیں البتہ کچھ الفاظ ایسے ہیں جن میں عقلیت پسند منفرد تشریح کرتے ہیں اور جمہور امت سے تنہا نظر آتے ہیں اور ان میں سے صرف غلام احمد پرویز کی رائے مختلف ہے باقی عقلیت پسند حضرات جمہور کے ساتھ متفق ہیں۔

توحید فی الذات میں لفظ "اللہ" کی تشریح میں جناب غلام احمد پرویز صاحب نے کچھ عقلی توجیہ ضرور نقل فرمائی ہے پرویز صاحب جب اور جہاں کوئی بات کرتے ہیں یا کوئی تفسیر بیان کرتے ہیں وہ تفسیر بالروایہ کے بجائے عقل کو قرآنی فکر کی روح رواں سمجھتے ہیں مگر یہ بات عقائد کے میدان میں کچھ زیادہ ہے یعنی عقائد میں عقل پر کچھ زیادہ زور دیتے ہیں اور پرویز کی بیشتر کتابوں میں اس کی جھلک نمایاں دکھائی دیتی ہے۔ ہر چند کہ پرویز صاحب زبانی طور پر عقل کے مقابلہ میں وحی کی برتری کے قائل ہیں لیکن عملاً اپنے کسی مخصوص نظریہ کو قرآن سے ثابت کرنے کی کوشش میں تاویلات سے کام لیتے ہیں۔

غلام احمد پرویز صاحب تفسیری مصطلحات میں ایک تفرد رکھتے ہیں اور ہر چیز کی تفسیر اپنے عقلی زاویہ سے اپنے ہی انداز میں کرتے ہیں، ذات باری تعالی کے متعلق پرویز صاحب کا جو عقیدہ ہے اس کا اظہار وہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

اللہ اور رسول سے مراد مرکزی نظام اسلامی ہے ۔[3]

---

[1] جمال عطیہ ووجہ تملی تجدید الفقہ الاسلامی (بیروت: دار الفکر المعاصر (۲۰۰۲)، ص ۲۳۲

[2] جمیلہ بوخاتم، التجدید في أصول الفقہ (مصر: دار الفاروق للاستثمارات الثقافیۃ ۲۰۱۰)، ص ۳۴

[3] چوہدری غلام احمد پرویز، مطالب الفرقان، ۳۲۰/۴

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.03 (2025)

جناب غلام احمد پرویز صاحب تفسیر مطالب الفرقان کے ایک اور مقام پر اس کی تفسیر و تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"اللہ اور رسول سے مراد اسلامی مملکت یا قرآنی نظام حکومت ہوتا ہے۔[1]

جناب غلام احمد پرویز صاحب کی یہ تفسیر بالرائے ایک مفصل اور اہم فلسفہ ہے اور یہی فلسفہ پرویز صاحب کی دیگر کتب میں کچھ اس طرح مذکور ہے:

چونکہ خدا ان صفات عالیہ سے عبارت ہے جنہیں اپنے اندر انسان منعکس کرنا چاہتا ہے۔ اس لیے حقیقتا بندہ اللہ تعالی کی فرمانبرداری کو اپنی فطرتی قاعدے کا فرمانبردار ہے۔[2]

پرویز صاحب نے ہر لفظ میں اپنی ایک الگ اصطلاح بنا رکھی ہے جیسا کہ لفظ اللہ جل جلالہ کے بارے میں سورۃ التوبہ کی آیت میں اللہ تعالی کا ارشاد گرامی ہے:

إِنَّ ٱللَّهَ ٱشۡتَرَىٰ مِنَ ٱلۡمُؤۡمِنِينَ أَنفُسَهُمۡ وَأَمۡوَٰلَهُم بِأَنَّ لَهُمُ ٱلۡجَنَّةَۚ۔[3]

بیشک اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لیے ہیں ان کے لیے اب جنت ہے ۔

پرویز صاحب اس آیت میں فرماتے ہیں کہ:

"اللہ سے مراد قرآنی معاشرہ ہے اور مؤمنین سے مراد افراد معاشرہ اور جنت سے مراد روٹی کپڑا اور مکان یا ضروریات زندگی ہیں۔[4]

گویا قرآنی حکومت افراد و معاشرہ کو ضروریات زندگی دے گی (ایتائے زکوۃ اور اس کے عوض افراد و معاشرہ کی جانیں بھی اور اموال بھی سب کچھ قرآن حکومت کے ہوتے ہیں اس معاہدہ کی رو سے افراد معاشرہ اپنی انفرادی ملکیت رکھ ہی نہیں سکتے کیونکہ وہ تو اپنا سب کچھ حتی کہ جانیں بھی قرآنی حکومت کے ہاتھ "جنت" کے عوض فروخت کر چکے ہیں۔ لفظ اللہ باری تعالی کے نام کو جو انہوں نے ایک خاص معنی میں لیا ہے اسی طرح غلام احمد پرویز اور ان کے حواریوں کے یہاں لفظ جلالہ "اللہ" کی بھی ایک عقلی تفسیر اور خاص تصور ہے وہ اکثر اللہ کا قانون مراد لیتے ہیں۔

توحید فی الصفات میں عقلیت پسند مفسرین کی آراء:

توحید فی الصفات سے مراد ہے کہ اللہ تعالی جس طرح ذات میں یکتا اور تنہا ہے اس طرح اللہ تعالی صفات میں بھی تنہا ہے یعنی جو صفت اللہ کے لئے جس انداز میں ثابت ہیں ایسا کسی کے لئے بھی ثابت نہیں ہے یہ صرف اللہ ہی کا خاصہ ہے۔

توحید فی الصفات میں بھی عقلیت پسند رجحان رکھنے والے حضرات اور جمہور مفسرین متفق نظر آتے البتہ غلام احمد پرویز صاحب توحید فی الصفات میں لفظ "رب" کی جو تشریح اور تفسیر کرتے ہیں وہ کچھ منفرد ہے جو نہ صرف جمہور مفسرین سے علیحدہ ہے بلکہ عقلیت پسند رجحان رکھنے والے حضرات میں سے کسی نے بھی تاحال یہ تشریح نہیں کی ہے۔ ان کے علاوہ باقی مفسرین جمہور کے ساتھ متفق نظر آتے ہیں۔

آیات ربوبیت میں عقلی رجحان مفسرین کے آراء:

اللہ کی صفاتی ناموں میں سے ایک نام "رب" ہے یہ لفظ غلام احمد پرویز کی تفسیر بالرائے میں شامل ہے اور توحید فی الصفات کی بحث میں مروج ہے قرآن کریم میں جہاں جہاں لفظ "رب" کا استعمال ہوا ہے جناب غلام احمد پرویز صاحب نے اس سے "نظام ربوبیت" لیا ہے جو کہ ان کے یہاں ایک خاص اصطلاح اور مخصوص فلسفہ ہے اس فلسفے کا پس منظر یہ ہے کہ پرویز صاحب کے معاشی نظریات ان کی فکر کا اہم جزو سمجھے جاتے ہیں، وہ کمیونزم کے کلی طور پر قائل ہیں اور اس کو "نظام ربوبیت" کا نام دیتے ہیں۔[5]

---

[1] چوہدری غلام احمد پرویز، مطالب الفرقان، 6/470

[2] چوہدری، غلام محمد پرویز، معارف القرآن، ۲/۲۴۱

[3] التوبہ:111

[4] چوہدری غلام احمد پرویز، نظام ربوبیت (لاہور، طلوع اسلام، طبع چہارم، ۱۹۹۵ء)، ۱۱۷

[5] چوہدری، غلام احمد پرویز، کمیونزم، ۷۶

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.03 (2025)

پرویز صاحب کا "قرآنی نظام معیشت" ذاتی ملکیت کے اصول کو تسلیم نہیں کرتا وہ اس کی خود ساختہ تفسیر کر کے اس نظام کو "نظام ربوبیت" کا نام دیتے ہیں۔ اپنے اس موقف کو ثابت کرنے کیلئے انہوں نے اپنی ساری توانائیاں صرف کر دیں۔ اپنے کتب، رسائل، تحریروں اور تقریروں میں بتکرار اس بات پر زور دیا کہ قرآن کسی شخص کی ذاتی ملکیت رکھنے کی اجازت نہیں دیتا، جملہ وسائل وذرائع، خواہ وہ قدرتی ہوں یا مصنوعی، انہیں شخصی ملکیت میں رکھنے کا جواز، از روئے قرآن نہیں ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر محمد دین قاسمی نے پرویز صاحب کی کتب ورسائل سے ایک سو اقتباسات بطور نمونہ درج کیے ہیں جن میں انہوں نے ذاتی ملکیت کو خلاف قرآن قرار دیا ہے اس قسم کی تفسیر بالعقل والی عبارات مطالب الفرقان کے علاوہ پرویز صاحب کی دیگر کتب میں بھی بہت ساری ہیں جس سے پرویز صاحب یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ جہاں قرآن میں لفظ "رب" آیا ہے اس سے مراد اللہ کی وہ مخصوص صفت نہیں ہے جس کو علماء استعمال کرتے ہیں بلکہ اس سے مراد قرآن کا نظام ربوبیت اور قرآن کا معاشی فلسفہ ہے جیسا کہ طلوع اسلام میں لکھتے ہیں:

> "قرآن کا معاشی نظام اور کمیونزم کا معاشی نظام، ایک ہی ہے یا ان دونوں میں مماثلت ہے تو آپ کو خوش ہونا چاہیے کہ دنیا کی کسی قوم نے اسلام ۔ کے معاشی نظام کو اپنایا ہے قرآن کریم نے یہ نظام چودہ سو سال پہلے دیا تھا اور کمیونزم کا نظام بیسویں صدی کی پیداوار ہے اس لیے یہی کہا جائے گا کہ کمیونزم نے یہ نظام اسلام سے لیا ہے۔ نہ کہ اسلام اس نظام کو کمیونزم سے مستعار لے رہا ہے۔ [1]

جناب غلام احمد پرویز اس اصلاح میں کئی خامیوں کا شکار ہیں ان میں سے سب سے پہلے یہ کہ انہوں نے مارکسزم کی نظام کو پروان چڑھانے کے لئے قرآن کریم سے بے جا استدلال کر کے اصطلاح گھڑلی ہے ڈاکٹر محمد دین قاسمی نے مذکور نظریات پر اپنی کتاب "تفسیر مطالب الفرقان کا علمی و تحقیقی جائزہ" کی دوسری جلد میں بہت ہی اچھوتے انداز میں گرفت کیا ہے مبصر کی رائے یہ ہے کہ:

> پرویز صاحب اسلام اور اشتراکیت، ہر دور میں، ان کے معاشی نظام اور ان کے فلسفہ حیات میں ائتلاف و تلازم کے معتقد رہے اس کے بعد ان کے معاشی نظام کو فلسفہ حیات سے جدا کر دیے اور یہ دلیل دی کہ کہ معاشی نظام کو کمیونزم نے قرآن مجید سے لیا ہے۔ [2]

تفسیر مطالب الفرقان" پر مذکورہ بالا بحث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مصنف نے اللہ تعالی کے صفاتی ناموں میں سے لفظ "رب" کی تفسیر میں امت مسلمہ کے متفق علیہ عقائد اور مسلمہ افکار سے انحراف کی راہ اختیار کی ہے۔ علمی دیانت بھی ان کی تحریروں میں مفقود ہے۔ مفسر کی عربی زبان و قواعد سے ناواقفیت کی گئی مثالیں بھی اس میں موجود ہیں۔ اپنے مدعا مقصد کی برآری کیلئے قواعد زبان کی بھی مخالفت کی اور تاریخی حقائق کو بھی نظر انداز کیا۔

جناب غلام احمد پرویز صاحب نے کارل مارکس کی اشتراکیت پر مبنی اپنے عقلی فلسفہ اور فکر کے پروان کے لئے قرآنی نظام ربوبیت کا فلسفہ ایجاد کیا پھر انہوں نے ایسا حل تلاش کیا جو واقعی ساری امت مسلمہ کے مسلمات کے خلاف تھا اور روسی اشتراکیت کے بالکل مماثل بلکہ عین مطابق تھا، پرویز صاحب لکھتے ہیں:

> "جو کچھ قرآن سے میں سمجھا ہوں وہ یہی ہے کہ قرآن کسی کے پاس فاضلہ دولت نہیں رہنے دیتا اور وسائل پیداوار پر خواہ وہ فطری ہوں یا مصنوعی، کسی کی ذاتی ملکیت کے اصول کو تسلیم نہیں کرتا، خواہ ملکیت افراد کی ہو یا سٹیٹ کی۔ [3]

اس عقیدہ کی بنا پر پرویز صاحب نے ایسی تمام آیات کی تفسیر بالعقل اور تحریف معنوی کا ارتکاب کیا ہے جن سے کسی بھی ذاتی ملکیت کا ثبوت فراہم ہوتا تھا، رب العالمین کی تفسیر اور اس کا مفہوم پرویز اکثر نظام ربوبیت لیتے ہیں، جو کہ اللہ تعالی کی صفت ہے۔ تو کیا جہاں نظام ربوبیت قائم نہیں ہوگا وہاں سے "رب" کا وجود ختم ہو جائیگا۔

---

[1] چوہدری غلام احمد پرویز، طلوع اسلام، مارچ، ۱۹۶۶ء ۲۷

[2] قاسمی، محمد دین، تفسیر مطالب الفرقان کا علمی و تحقیقی جائزہ: ۱/۵۴۵

[3] چوہدری غلام احمد پرویز، نظام ربوبیت، ۲۳

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.03 (2025)

رب العالمین کا معنی "نظام ربوبیت" پر تبصرہ کرتے ہوئے حافظ محمد دین قاسمی رقمطراز ہیں:

> "رب العالمین کا معنی " نظام ربوبیت " بیان کرنا، گویا جدت طرازی کی ماؤنٹ ایورسٹ کو سر کر لینا ہے۔ علاوہ ازیں، اس معنی میں " جدت طرازی " اور "نرالا پن " دونوں ہی جمع ہو گئے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ (فرض کیجئے کسی مقام پر " نظام ربوبیت " کا وجود قائم نہ ہو اس وقت تک رب العالمین " کا خاتمہ ہو گا؟ اور جونہی، جس مقام پر " نظام ربوبیت " وجود پذیر ہو جائے تو کیا اس کے معنی، خود " رب العالمین " کا معرض وجود میں آجانا ہو گا؟ اور پھر کیا " نظام ربوبیت " کے فنا کے گھاٹ اترتے ہی (معاذ اللہ) " رب العالمین " کا وجود بھی مٹ جائے گا؟ ان پر سر سری غور و فکر ہی "مفکر قرآن " کی الحاد فی الآیات کی عادت مالوفہ کو واضح کر دیتا ہے۔ [1]

خلاصہ کلام یہ کہ توحید میں اُمت کے علماء ومفسرین متفق نظر آتے ہیں سوائے جناب پرویز صاحب کے کہ وہ توحید کی بحث میں تمام اُمت کو چھوڑ کر صرف اپنی عقل کے بل بوتے لفظ "رب" کی خود ساختہ تشریح فرماتے ہیں کیونکہ وہ روسی نظام اشتراکیت سے بہت حد تک متاثر ہیں اور اس کے لئے انہوں نے "نظام ربوبیت" کے نام سے ایک خاص اصطلاح اور فلسفہ فکر قائم کیا تاکہ اس کا کارل مارکس سے اخذ شدہ معاشی فلسفہ وجود پکڑے، اس کے لئے قرآن کریم میں ہر قسم کی لفظی اور معنوی تحریف سے انہوں نے گریز نہیں کیا اور اسی کو ہی وہ اپنی کامیابی سمجھتے ہیں۔

وحی جلی / قرآن کریم کے عقیدہ میں عقلی رجحان مفسرین کی آراء:

عقلیت پسند رجحان رکھنے والے حضرات براہ راست وحی جلی کا انکار کبھی بھی نہیں کرتے اصولی طور پر وہ قرآن کریم کو بالکل مانتے ہیں اور اس کی آیات مبارکہ سے استدلال کرتے ہیں بلکہ ان لوگوں کا انکار کچھ یوں ہے کہ وہ وحی جلی یعنی قرآن کریم کی آیات میں تاویل کرتے ہیں اور وحی کے کچھ امور کے بارے میں بعض عقل پرست حضرات کا خیال ہے کہ یہ عقل کے خلاف ہیں حالانکہ وحی بالکل عقل انسانی کے خلاف نہیں ہے بلکہ اس کی پہنچ سے دور ہیں ان چیزوں میں صرف اور صرف وحی الٰہی پر ہی اکتفاء کرنا چاہئے یہاں عقل کے گھوڑے دوڑا کر گمراہ ہونے سے بہتر ہے کہ وحی کی لگام تھام لے تاکہ منزل مقصود تک رسائی ہو جہاں عقل کام چھوڑ جائے۔

مولانا محمد علی لاہوری صاحب کی رائے:

وحی جلی یعنی قرآن کریم میں مولوی محمد علی لاہوری صاحب نے دو طرح کی من پسندی فرمائی ہے پہلی یہ کہ مولوی صاحب نے تمام اُمت اور اپنے دیگر عقلیت پسند رجحان رکھنے والے عقلاء کے برخلاف وحی کو انبیاء تک محدود نہیں رکھا بلکہ غیر نبی کو بھی اس میں شامل کیا اور یہ عقل پرستی نہیں بلکہ اپنے دین کی ترویج اور اس کو بے جا قرآن سے ثابت کرنے کی سینہ زوری ہے۔

دوسری من مانی یہ فرمائی کہ تفسیر قرآن میں اپنی قادیانی عقل پرستی کو مقدم اور جمہور امت کے مسلمہ اصول کو رد کرتے ہوئے تفسیر بالرائے مذموم کی کوشش کی ہے یہ ایک طرف عقل پرستی ہے دوسری طرف اپنے دین کی ترویج اور اثبات ہے ان دو باتوں کی تفسیر اور تفصیل یوں ہے:

وحی کی اصطلاحی حقیقت کے بارے میں اس باب کے آغاز میں بیان ہو چکا اس میں ایک یہ چیز بھی داخل ہے کہ شریعت مطہرہ میں وحی کا اختصاص صرف اور صرف انبیاء کے ساتھ ہے جبکہ محمد علی لاہوری وحی کی حقیقت میں اپنے نئے مذہب کو داخل کرنے کے لئے اور اس کو بگاڑتے ہوئے وحی کو نبی کے ساتھ خاص نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ مجدد زمانہ کو بھی وحی ہوتی ہے جبکہ دوسری طرف غیر متعلقہ آیات کریمہ سے استدلال کر کے اپنے مدعا کے حصول کے لئے من مانی تاویلات کر کے اپنا مقصودی معنی اخذ کرتے ہیں جو کہ اس کی عقل کا خمیازہ ہے چنانچہ سورۃ الغافر میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی قدر ہے:

رَفِيعُ ٱلدَّرَجَٰتِ ذُو ٱلْعَرْشِ يُلْقِي ٱلرُّوحَ مِنْ أَمْرِهِۦ عَلَىٰ مَن يَشَآءُ مِنْ عِبَادِهِۦ لِيُنذِرَ يَوْمَ ٱلتَّلَاقِ۔ [2]

وہ اونچے درجوں والا، عرش کا مالک ہے۔ وہ اپنے بندوں سے جس پر چاہتا ہے اپنے حکم سے روح (یعنی وحی) نازل کر دیتا ہے تاکہ ملاقات کے اس دن سے (لوگوں کو) خبر دار کرے۔

---

[1] قاسمی، محمد دین، حافظ، غلام احمد پرویز کے نظام ربوبیت پر ایک نظر، ۲۸۹

[2] الغافر:15:30

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.03 (2025)

یہاں لفظ روح استعمال ہوا ہے تمام سلف و خلف نے اس کا ترجمہ روح سے ہی کیا ہے مگر محمد علی قادیانی لاہوری صاحب اپنا من مانا مقصد نکالتے ہوئے اپنے عقلی دائرہ کار میں سورہ الغافر کی اس آیت کریمہ کے بارے میں ایک مقام پر لکھتے ہیں:

یہاں روح سے مراد وحی ہے " من عبادہ" سے مجددین وقت مراد ہیں ان کو وہی شخص جھوٹا کہہ سکتا ہے جسے قرآن وحدیث کی پرواہ نہ ہو۔ "[1]

علامہ تمنا عمادی صاحب کی رائے:

اسی طرح علامہ تمنا عمادی نے وحی جلی کا انکار کرنے کے مختلف طریقے اپنائے۔ کبھی قرآن کریم میں شکوک وشبہات پیدا کیے، کبھی تواتر کے ضمن میں قرآن پر وار کیا، کبھی احادیث کی طرح قرآن کو بھی منافقین اور اعداء اسلام کا ہدف قرار دیا تاکہ قرآن میں تحریف ثابت کی جاسکے، کبھی علم تفسیر، شان نزول، قرآت اور قرآن کریم میں رموز او قاف وغیرہ کو عجمیوں کی سازش قرار دے کر عقل کے ذریعے وحی کی حیثیت کو گھٹانے کی کوشش کی۔ یہ سب کچھ کرنے کی وجہ قرآن کریم کی حقیقت مجروح کی جاسکے اور اس کی قانونی حیثیت کو کم یا ختم کیا جاسکے۔

اُمت مسلمہ میں تمام سلف وخلف کا اتفاق ہے کہ وہ روایات جو تواتر کی حد کو پہنچی ہوں قرآن کریم کی طرح وہ قطعی ہوتی ہیں اس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے اور اس کے خلاف کرنے والے کو شریعت مطہرہ نے اسلام کے دائرہ سے خارج قرار دیا ہے۔ یہی شان ان احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے جو متواتر ہیں جبکہ قرآن تو تمام کا تمام متواتر ہے۔ علامہ تمنا عمادی نے شریعت اسلام کے مذکورہ اصول کو ہی من گھڑت قرار دیتے ہوئے تواتر کا انکار کیا ہے اور کہتے ہیں کہ تواتر کی ایک قسم مصنوعی بھی ہے یعنی کسی جماعت نے اپنے کسی خاص مقصد کے ماتحت ایک جھوٹی بات گھڑی اور باہمی صلاح ومشورہ کر کے اس جماعت کے افراد مختلف دور ونزدیک مقامات میں پھیل کر اس جھوٹی بات کو سچی قرار دے کر مشہور کرنے لگے اور پھر جن لوگوں نے اس جماعت کے افراد سے سنا وہ اسے دوسروں سے بیان کرنے لگے۔ یہاں تک کہ کچھ دنوں میں جھوٹی بات ایک سچی خبر بن کر متواتر ہوئی اور رفتہ رفتہ دنیا میں مشتہر ہوگئی۔ عجمی ملحدین ومنافقین نے ایک زبردست سازش کر کے اس طرح کتنی جھوٹی حدیثیں گھڑ گھڑ کر پھیلائیں۔ اور باوجود محدثین کی چھان بین کے آج تک ان کے مجلات میں کتنی موضوع ومکذوب روایات موجود ہیں اور انہی روایات کی بدولت آج امت میں اس قدر دینی فرقہ بندیاں اور اختلافات نظر آرہے ہیں۔

پھر کہتے ہیں کہ اگر غلو وتعصب، ضد اور ہٹ دھرمی سے الگ ہو کر دیانتا ان مصنوعی متواترات کو دیکھا جائے اور ان کے تجربے کے بعد قرائن کی روشنی میں حقیقت کی جستجو کی جائے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ حقیقت امر کا پتہ نہ ملے، انہوں نے وحی متلو اور وحی غیر متلو کو غیر قرآنی تقسیم قرار دے دیا ہے جو کہ وحی متلو یعنی قرآن کے انکار کا پہلو اس میں صاف نمایاں ہے:

"وحی غیر متلو کو " غیر قرآنی " کہہ کر رد کرنا اور اس کے اتباع سے انکار کرنا در حقیقت قرآن مجید کا انکار ہے۔ [2]

جاوید احمد غامدی کی رائے:

دیگر عقلیت پسند حضرات کی طرح جناب جاوید احمد غامدی صاحب وحی جلی یعنی قرآن کا براہ راست انکار یا اس میں عقل پرستی کے قائل نہیں ہیں البتہ وہ دو طریقوں سے قرآن اور وحی جلی کی حیثیت کو مجروح کر رہے ہیں پہلا یہ کہ ماخذ دین میں اُمت مسلمہ کے مسلمہ اصول میں وحی جلی یعنی قرآن کی حیثیت سب سے اول ہے جبکہ جناب غامدی صاحب کے یہاں سب سے آخری اور سب سے کمزور درجے کا اصول قرآن کریم ہے آپ نے ماخذ دین یا اصول دین چار بتائے ہیں یہی بات انہوں نے دین کے اصول اور مبادی میں لکھی ہے جیسا کہ رقمطراز ہیں:

ماخذ دین درج ذیل ہیں: ۱۔ دین فطرت۔ ۲۔ سنت ابراہیمی۔ ۳۔ نبیوں کے صحائف۔ ۴۔ قرآن "

اور یہی ترتیب اس کے یہاں درجات میں بھی ملحوظ ہے یعنی سب سے پہلا ماخذ دین فطرت، پھر سنت ابراہیمی پھر نبیوں کے صحائف اور آخر میں وحی جلی یعنی قرآن ہے جس سے وحی جلی یعنی قرآن کی حیثیت جمہور امت کے مقابلے میں کم ہو جاتی ہے جیسا کہ اپنے اصول کی وضاحت کرتے ہوئے ایک مقام پر لکھتے ہیں:

---

[1] لاہوری، محمد علی، بیان القرآن (احمدیہ انجمن اشاعت اسلام، لاہور، سن)، ۱/۲۹۰۱

[2] طاہر، ماہنامہ، فاران، کراچی، جنوری ۱۹۷۱، ۳۵

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.03 (2025)

سنت صرف دین ابراہیمی کی وہ روایت ہے جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی حیثیت سے جاری فرمایا اور یہ قرآن سے مقدم ہے۔ اگر کہیں قرآن کا ٹکراؤ یہود و نصاری کے فکر و عمل سے ہو گا تو قرآن کے بجائے یہود و نصاری کے متواتر عمل کو ترجیح ہو گی۔ "

دوسرے نمبر پر جب جناب جاوید احمد غامدی صاحب قرآن کریم کی تفسیر کرتے ہیں تو اسے عقل کے تابع بنا کر اس میں عقلی تاویلات کرتے ہیں جو کہ اگر صرف تاویل کی حد تک محدود ہوتی تو کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا جبکہ یہاں تو تاویل سے کہیں بڑھ کر تحریف ہو جاتی ہے جو کہ شریعت اسلام اور تفسیر، خاص کر وحی جلی کی حقیقت کو ختم کر دیتی ہے۔

مختصر یہ کہ جاوید احمد غامدی صاحب وحی جلی یعنی قرآن کو بطور ماخذ شرعی کے مانتے ہیں مگر جمہور مفسرین سے فرق صرف اتنا ہے کہ جمہور وحی جلی یعنی قرآن کو شریعت کے اصول میں پہلا نمبر دیتے ہیں جبکہ غامدی صاحب اسے چوتھے نمبر پر رکھتے ہیں اور ساتھ ساتھ وہ استدلال میں بھی اسے چوتھے نمبر پر رکھتے ہیں یعنی جب قرآن کریم کا غامدی صاحب کے کسی اور ماخذ سے تعارض آجائے تو ان ماخذ کو قرآن پر ترجیح دیتے ہوئے قرآن میں کوئی تاویل کرتے ہیں۔

وحی خفی / حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور عقلیت پسند حضرات :

عقلیت پسند رجحان رکھنے والے مفکرین اور مفسرین نے جہاں وحی جلی یعنی قرآن کریم کی تاویل اور تحریف کر کے انکار کی کوشش کی ہے وہیں اس سے کہیں زیادہ اور صاف الفاظ میں حدیث نبوی ﷺ کے انکاری نظر آتے ہیں یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی احادیث کو سرے سے حجت ہی نہیں مانتے اس روش میں اگر چہ اصل مصدر مولانا جیراج پوری صاحب ہیں مگر اس کی اتباع میں سب منکرین حدیث شامل ہیں۔

مولوی محمد علی لاہوری قادیانی اور وحی خفی حدیث رسول صلی اللہ علیہ و سلم:

مولوی محمد علی لاہوری بالخصوص اور دیگر قادیانی حضرات بالعموم یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ ہم احادیث رسول کو حجت مانتے ہیں اور یہی ان کے اصول بھی ہیں اور ان کا دعوی بھی یہی ہے مگر ان کے ماننے کا انداز جمہور امت اور دیگر عقلیت پسند حضرات سے کچھ الگ تھلگ ہے وہ یوں کہ قادیانی حضرات اور مولوی محمد علی لاہوری صاحب کا ایک مخصوص دین ہے اور اس کے کچھ مخصوص اصول اور قوانین ہیں جو احادیث ان اصول اور قواعد کے موافق ہوتے ہیں ان کو من وعن لے لیتے ہیں اور یہ دعوی کرتے ہیں کہ ہم احادیث رسول کو حجت مانتے ہیں مگر جہاں ان کی دین اور اصول کے ساتھ احادیث کا ٹکراؤ آجائے وہاں یہ لوگ حدیث کو پس پشت ڈال کر تفسیر بالرائے مذموم کر ڈالتے ہیں بالفاظ دیگر قولا تو احادیث کو حجت مانتے ہیں مگر عملا اس کے بر خلاف عمل کرتے ہیں۔[1]

اپنے اصول کو اپنا کر احادیث کو نہ ماننے کی بہت ساری مثالیں ہیں جیسے کہ احادیث متواترہ نے شادی شدہ مرد و عورت کے لئے زنا کا سزاء رجم یعنی سنگسار قرار دیا ہے اس حوالے سے تو روایات کی بہتات کے ساتھ اجماع امت بھی ہے بطور مثال دو احادیث ائمہ حدیث سے پیش خدمت ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

«خُذُوا عَنِّي، فَقَدْ جَعَلَ اللهُ لَهُنَّ سَبِيلًا، الثَّيِّبُ بِالثَّيِّبِ، وَالْبِكْرُ بِالْبِكْرِ، الثَّيِّبُ جَلْدُ مِائَةٍ، ثُمَّ رَجْمٌ بِالْحِجَارَةِ، وَالْبِكْرُ جَلْدُ مِائَةٍ، ثُمَّ نَفْيُ سَنَةٍ»۔[2]

مجھ سے احکام او مجھ سے احکام لو، اللہ تعالی نے زانی کے لئے راستہ نکال دیا اگر وہ دونوں غیر شادی شدہ غیر محصن ہوں تو ان کو سو کوڑے لگاؤ اور ایک سال کے لئے ملک بدر کرو اور اگر شادی شدہ ہو یعنی محصن ہو تو ان کو پتھر مار کر قتل کر دو۔

اس حوالے سے ایک اور روایت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے جس کو شیخین نے ان الفاظ میں روایت کیا ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَتَى رَجُلٌ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي المَسْجِدِ، فَنَادَاهُ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنِّي زَنَيْتُ، فَأَعْرَضَ عَنْهُ حَتَّى رَدَّدَ عَلَيْهِ أَرْبَعَ مَرَّاتٍ، فَلَمَّا شَهِدَ عَلَى نَفْسِهِ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ، دَعَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ:

[1] بلخی، افتخار احمد، فتنہ انکار حدیث کا منظر و پس منظر، (مکتبہ رحمانیہ، لاہور، س ن) ۵۵/۱

[2] قشيري، مسلم بن الحجاج، الجامع الصحيح المسلم، دار إحياء التراث العربي- بيروت: 1334ھ، ج3، ص1316، ح1690

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.03 (2025)

«أَبِكَ جُنُونٌ» قَالَ: لَا، قَالَ: «فَهَلْ أَحْصَنْتَ» قَالَ: نَعَمْ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «اذْهَبُوا بِهِ فَارْجُمُوهُ»۔[1]

آپ ﷺ کے مجلس میں ایک شخص آیا آپ ﷺ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے، وہ کہنے لگا کہ میں نے زنا کیا ہے آپ ﷺ نے منہ دوسرے طرف پھیر لیا پھر دوسرے طرف آکر اس نے کہا میں نے زنا کیا ہے آپ ﷺ نے منہ دوسرے طرف پھیر لیا اس طرح چار بار کیا، آپ ﷺ نے فرمایا آپ پاگل تو نہیں ہو اس نے کہا کہ نہیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تو شادی شدہ ہے اس نے کہا کہ جی ہاں آپ ﷺ نے لوگوں سے فرمایا کہ اسے لے جاؤ اسے سنگسار کرو۔

یہ اور ان جیسی دیگر روایات کا خلاصہ یہ کہ شادی شدہ مرد اور عورت کو سنگسار کیا جائے جبکہ ان روایات کے بر خلاف عقل کے نر سے دیکھنے والے محمد علی لاہوری کے یہاں محصن مرد و عورت کی لئے رجم کی سزا ان کے نزدیک خلاف قرآن ہے۔ اس ضمن میں انہوں نے نبی ﷺ کی احادیث، عہد نبوی کے واقعات، تعامل صحابہ اور اجماع امت کے دلائل کو ماننے سے انکار کر دیا ہے جیسا کہ یہی بات مولوی محمد علی لاہوری صاحب نے بیان القرآن ج:2، ص:955 میں ذکر کر دی ہے۔[2] اسی طرح حد سرقہ کے بارے میں تاویلات کی ہیں اور ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔[3]

ان احکام کی علت یہ قرار دے رہے ہیں کہ یہ احکام قرآن میں نہیں ہیں کیا وحی خفی حدیث مبارکہ شریعت کے ماخذ میں سے نہیں ہے؟ کیا ان کو آپ لوگ اصول دین نہیں سمجھتے ہیں جس طرح گذشتہ احکام کو مولوی محمد علی صاحب نے یہ کہ کر منسوخ کر دیا کہ یہ قرآن میں موجود نہیں ہے یہی روش انہوں نے ارتداد کے بارے میں بھی اپنائی ہے شریعت میں جو حکم قتل کا ہے اس کے بارے میں کچھ اس طرح رقمطراز ہے:

"قرآن مجید میں کسی بھی جگہ قتل مرتد کا حکم نہیں بلکہ بر صغیر میں اسلام سے عیسایت کی طرف ارتداد کا سلسلہ حضرت مرزا صاحب کی وجہ سے ختم ہوا۔[4]

خلاصہ بحث یہ کہ مولوی محمد علی صاحب بیان القرآن نے عام طور پر سب سے الگ تھلگ یہ انداز اختیار کیا ہے کہ جہاں جو احادیث ان کے دین اور ان کے اصول و قواعد کے موافق ہوتی ہیں ان کو قبول کر کے یہ دعوی کرتے کہ ہم تو احادیث کو حجت مانتے ہیں مگر جہاں احادیث کا ایک بہت بڑا مجموعہ ان کے دین اور اصول و قواعد کے بر خلاف ہوتے ہیں تو اس وقت مولوی محمد علی لاہوری صاحب احادیث کے برعکس اپنی دانشوری سے تفسیر بالرائے مذموم کرتے نظر آتے ہیں اور آیات قرآنیہ کا تعلق واقعات سے منقطع کر دیتے ہیں جیسے کہ حرمت شراب کے احکامات کو زمانہ ماضی سے جوڑا، اصحاب کہف کو موجودہ عیسائیوں سے ملایا، اسی طرح بعض آیات کی من پسند تاویلات کرنے کے لئے انہیں زمانہ ماضی کے ساتھ مخصوص و مقید کر دیا تاکہ احکام شریعت میں تحریف کے لئے کوئی مضبوط سہارا میسر آجائے تفسیر میں بیشتر مقامات پر قرآن و حدیث کے صریح نصوص سے گریز اختیار کیا گیا ہے نقل و آثار کے بجائے رائے مذموم کو اولیت دی گئی ہے متعدد مقامات پر اپنے دین کی تائید و توثیق کرتے ہوئے احادیث کو پس پشت ڈال دیا، آیات کو اپنے انحرافی عقائد و نظریات کے تابع کر دیا ہے انہی وجوہات کی وجہ سے اُمت کے علماء کرام نے منکرین احادیث میں اُن کا شمار کیا ہیں۔

ختم نبوت کا مفہوم عقلیت پسند حضرات کی نظر میں:

عقلیت پرست حضرات میں سے سوائے مولوی محمد علی لاہوری کے ختم نبوت کے مفہوم پر جمہور علماء کی طرح متفق ہیں البتہ مولوی محمد علی لاہوری ختم نبوت میں عقل پرستی سے کام لیا ہے مولوی محمد علی لاہوری شروع میں ۱۹۱۴ کے قادیانی دین کے دیگر پیروکاروں کے ساتھ اختلافات سے پہلے ختم نبوت کا صریح انکار کیا کرتے تھے

---

[1] بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، دار طوق النجاۃ: الطبعۃ: الأولی، 1422ھ، ج8، ص165، ح6815

[2] لاہوری، محمد علی، بیان القرآن: ۹۵۵/ ۲

[3] لاہوری، محمد علی، بیان القرآن: 244/ 1

[4] لاہوری، محمد علی، بیان القرآن: 125/ 1

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.03 (2025)

اور مرزا غلام احمد قادیانی کو بے چوں وچرا نبی مانتے تھے جیسا کہ ان کے لٹریچر اور تفسیر بیان القرآن سے معلوم ہوتا ہے:

> ہر ایک نبی نے جو خدا کی طرف سے آیا دو باتوں پر زور دیا ہے اول یہ کہ لوگ خدا پر ایمان لائے دوئم یہ کہ اس کی نبوت کو اور اس کی منجانب اللہ ہونے کو تسلیم کر لیں بعینہ اسی قدیم سنت الٰہی کے مطابق اللہ تعالی نے مرزا صاحب کو مبعوث کیا۔ [1]

یہی مضمون مولوی محمد علی لاہوری صاحب نے اپنے مشہور رسالہ "ریویو آف ریلیجنز" جو بعد میں کتابی شکل میں چھپ کر آگیا میں بارہا نقل کیا ہے ایک مقام پر مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

> "قرآن شریف اور حدیث نبوی ﷺ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی دو بعثتیں یا دو ظہور ہیں اور آپ کے دو ناموں محمد ﷺ اور احمد ﷺ میں ان ہی دو بعثتوں کی طرف اشارہ ہے۔ [2]

مگر ۱۹۱۴ء کو جب مولوی محمد علی لاہوری اور دیگر قادیانیوں کے درمیان اختلاف رونما ہوئے تب انہوں نے مرزا صاحب کو صریح الفاظ میں نبی تو نہیں مانا البتہ آپ کی نبوت کی تاویلات کیا کرتے تھے جس کا خلاصہ پھر سے وہی نکلتا ہے کہ مولوی محمد علی لاہوری مرزا کو نبی مانتے تھے گویا قادیانی دین کے پیروکار مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی کریم محمد مصطفی ﷺ کے بعد نبی مانتے ہیں اس لئے وہ ختم نبوت کے قائل نہیں ہیں جبکہ تمام امت کے نزدیک نبی کریم ﷺ کی نبی ہونے کے بعد اب نبوت کا دروازہ بند ہو گیا، مولوی محمد علی لاہوری اور اس کے متبعین ایک طرف تو یہ دعوی کرتے ہیں کہ نبوت آپ ﷺ پر ختم ہو گئی آگے کسی نبی نے نہیں آنا ہے جبکہ دوسری طرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کے جاری یا منقطع ہونے کے بارے میں ایسی عقلی تاویلات پیش کرتے ہیں جس کا معنی ہے کہ نبوت تاحال کسی نہ کسی شکل میں جاری وساری ہے اس حوالے سے محمد علی صاحب ختم نبوت میں تاویل یا بالفاظ دیگر تحریف کرتے ہیں چنانچہ ختم نبوت کے بارے میں آپ کا نقطہ نظر کچھ یوں ہے کہ:

> "باب نبوت کو مسدود ماننے کے باوجود ایک قسم کی نبوت کا دروازہ امت کے لئے تا قیامت کھلا ہے اور وہ نبوت وہی ہے جو انسان کامل کے اقتداء سے ملتی ہے یا فنافی الرسول سے ملتی ہے اور وہ ظلی نبوت ہے۔ [3]

ان تفصیلات کے ساتھ محمد علی لاہوری نے مرزا غلام احمد قادیانی کو اللہ کی طرف سے مامور قرار دیا ہے اور اس کے دعوی نبوت کی تاویل مجازی ولغوی نبوت کے پیرائے میں کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبوت کا دروازہ کسی نہ کسی طرح دین قادیانی میں کھلا ہوا ہے اس بات کو توباقی قادیانی حضرات ببانگ دہل کہتے ہیں مگر محمد علی لاہوری اس کو تاویل یا تحریف کے انداز میں بیان کرتے ہیں جس سے دونوں کا منشاء اور مقصد ایک ہو جاتا ہے اور اپنے مقصد میں یہ لوگ کامیاب ہو جاتے ہے۔ [4]

مفسر بیان القرآن جناب محمد علی لاہوری کے خیال میں مرزا غلام احمد قادیانی کی طرف سے دعوی نبوت منسوب کرنا اور اسے نبی ماننا دراصل متشابہات کی پیروی ہے اور مرزا قادیانی کا دعوی نبوت دراصل لغوی ومجازی رنگ میں ہے۔ [5]

جہاں قادیانی صاحب کی نبوت میں تاویل کر کے کبھی ظلی کبھی بروزی اور کبھی لغوی اور مجازی نبی کے نام دیتے ہیں وہاں لفظ خاتم النبیین تمام نبیوں سے بلند اور اعلی نبی مراد ہیں جو اعلی اور بڑے درجوں پر قائم ہو تو ان کا نظریہ یہ ہے کہ اگر کوئی نبی کی زیادہ پیروی کرے تو وہ نبوت کے مقام تک پہنچ سکتا ہے۔

جمہور علماء امت اور مفسرین کرام نے ختم نبوت کا مفہوم اور تصور عقلیت پسند حضرات کے بر خلاف نقل فرمایا ہے ختم نبوت کے مفہوم پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے دور سے لے کر آج تک علمائے امت کا اجماع ہے کہ نبی کریم محمد مصطفی آخری نبی ہیں آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئیگا۔

---

[1] لاہوری، محمد علی، بیان القرآن، 3/226

[2] لاہوری، محمد علی، ماہنامہ ریویو آف ریلیجز، مارچ 1912، لاہور، ج:8، 174

[3] لاہوری، محمد علی، النبوۃ فی الاسلام، لاہور، احمدیہ، انجم اشاعت اسلام، ۱۹۷۴، ۱۴۹

[4] لاہوری، محمد علی، النبوۃ فی الاسلام، لاہور، احمدیہ، انجم اشاعت اسلام، ۱۹۷۴، 158

[5] لاہوری، محمد علی، النبوۃ فی الاسلام، لاہور، احمدیہ، انجم اشاعت اسلام، ۱۹۷۴، 158

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.03 (2025)

معجزات سے متعلق آیات کی عقلی تعبیرات کا جائزہ:

اللہ تعالی تمام انبیاء کے واسطے ایسے بہت سارے کام اور اعمال لاتے ہیں جو ان کی طاقت سے خارج ہوتی ہے اہل لغت کی نظر میں اس سے معجزہ کہتے ہیں تو یہاں پر عقلیت پسند حضرات یہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ کام تو ماورا عقل ہے یہ ان بندوں سے کیسا ہو سکتا ہے کیونکہ اس عمل کو عقل تسلیم نہیں کرتی بلکہ اصلا بات ایسی نہیں ہے بلکہ ان تمام افعال کا خالق و مالک اللہ تعالی ہے اور اس عمل کو انبیاء کے ذریعے سے صادر کرنا اور ان کے ہاتھ پر ظاہر کرنا اس میں اللہ کی قدرت شامل ہے اور وہ جس سے چاہتا ہے اس کے ذریعے سے بندوں کے سامنے اس معجزے کو ظاہر کرتے ہیں قرآن مجید اور احادیث میں متعدد جگہوں پر واضح طور پر آیا ہے:

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى۔[1]

جب آپ نے کنکر پھینکے تو یہ آپ نے نہیں پھینکے بلکہ اللہ نے پھینکے۔

اس آیت کریمہ کا مفہوم یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد میں کسی دشمن کی طرف مٹھی بھر کر مٹی پھینکی تو سارے دشمنوں کی انکھوں میں جالگی تو یہاں پر یہ روایت مذکور ہے کہ یہ رب کریم نے ان کی آنکھوں میں ڈالی ہے تو اس سے یہ پتہ چلا کہ یہ اللہ تعالی کی قدرت اور طاقت نبی کے ہاتھ پر ظاہر کیا ہے اور اسی طرح ایک قول حضرت نوح علیہ السلام کی بھی ہے کہ ان کے قوم نے کہا کہ آپ ہمیں جس عذاب سے ڈرا رہے ہیں اس سے ہم پر مسلط فرمادے اگر یہ آپ کی بس کی بات ہے تو فرمایا:

قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ۔[2]

آپ نے فرمایا اللہ تعالی ہی لے آئے گا اسے تمہارے پاس اگر چاہے گا اور نہیں ہو تم عاجز کرنے والے۔

عیسی علیہ السلام کے معجزات اور عقلی رجحان کی آراء

معجزات کے سلسلے میں عقلیت پسند حضرات کے دو گروہ ہیں پہلا وہ جو ان معجزات میں سے کچھ کو قبول کرتے ہیں اور کچھ کی تاویل اور توجیہ کرتے ہیں مگر دوسرا گروہ ان عقلیت پسند حضرات کا وہ ہے جو بالکل کسی معجزے کے قائل ہی نہیں ہیں بلکہ ان کو عقل کے خلاف سمجھتے ہیں اس گروہ کے سرخیل غلام احمد پرویز اور علامہ تمنا عمادی صاحب ہیں انکار معجزات کی تفصیل بالترتیب یوں ہے:

مولوی محمد علی لاہوری کے افکار کے مطابق مریم علیہا السلام کا نکاح یوسف نامی شخص سے ہوا تھا اور عیسی علیہ السلام اس کا ہی بیٹا ہے:

حضرت مریم کا نکاح یوسف (نامی شخص) سے ہوا تھا۔[3]

سیدنا عیسی علیہ السلام کے بارے میں ہمارے اسلامی معاشرے کا قرآن اور حدیث کی عبارات کی روشنی میں یہ عقیدہ ہے کہ آپ علیہ السلام واپس تشریف لائینگے اور اس امت کی رہبری فرمائینگے مگر محمد علی لاہوری صاحب بیان القرآن میں فرماتے ہیں کہ:

"حضرت عیسی علیہ السلام امت محمدیہ کی طرف نہیں آسکتے۔[4]

حضرت عیسی کی والدہ محترمہ سیدہ مریم علیہا السلام کو اللہ نے ہر بے موسم پھل دئے یہ آپ کی توقیر اور شان بلند کی طرف اشارہ تھا، جیسا کہ سورۃ آل عمران میں ہے:

كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ۭ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ۔[5]

---

[1] الانفال:17

[2] ہود:33

[3] لاہوری، مولوی، محمد علی، بیان القرآن، ۱/ ۳۱۵

[4] لاہوری، مولوی، محمد علی، بیان القرآن، ۱/ ۳۱۷

[5] آل عمران:37

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.03 (2025)

جب بھی زکریا ان کے پاس ان کی عبادت گاہ میں جاتے ، ان کے پاس کوئی رزق پاتے ، انہوں نے پوچھا: مریم ! تمہارے پاس یہ چیزیں کہاں سے آئیں ؟ وہ بولیں : اللہ کے پاس ہے۔ اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے ۔

جبکہ محمد علی کو تو یہاں پر بھی معجزے کو معجزے پر محمول نہیں کرتے بلکہ وہ دیگر مفسرین کو رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

مفسرین نے تو حسب معمول اس کو غیر معمولی رزق قرار دیا گرمی کے پھل سردیوں میں اور سردی کے پھل گرمیوں یہاں کوئی ایسا لفظ نہیں نہ قرآن شریف میں روٹی کا ذکر ہے نہ پھلوں کا بلکہ رزق سے مراد علم یا صحیفے جن میں علم تھا۔ [1]

ایک مقام پر اللہ تعالی شان مریم علیہ السلام اور اس کی عظمت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗٓ اٰيَةً وَّاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ۔ [2]

اور مریم کے بیٹے (عیسی علیہ السلام) کو اور ان کی ماں کو ہم نے ایک نشانی بنایا اور ان دونوں کو ایک ایسی بلندی پر پناہ دی جو ایک پر سکون جگہ تھی اور جہاں صاف ستھرا پانی بہتا تھا۔

اس آیت میں لفظ ربوہ سے مفسرین کرام نے جو کچھ مراد لیا ہے وہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ علیہ کے بقول کچھ یوں ہے:

الرَّبْوَةُ الْمَكَانُ الْمُرْتَفِعُ مِنَ الْأَرْضِ، وَهُوَ أَحْسَنُ مَا يَكُونُ فِيهِ النَّبَاتُ، ذات خصب وَمَعِينٍ يعني ماء ظاهرا، وَمَعِينٍ الْمَاءُ الْجَارِي. عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَأُمُّهُ حِينَ أَوَيَا إِلَى غَوْطَةِ دِمَشْقَ وَمَا حَوْلَهَا. فَقَالَ لَيسَ الرُّبَى إِلَّا بمصر ، وروى ابن أبي حاتم عن سعيد بن المسيب قال: هي دمشق ۔ [3]

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ ربوہ ہر اس بلند زمین کو کہتے ہیں جو سرسبز و شاداب اور ہریالی جو فصل کی قابل ہو اور اس میں بالکل تر و تازہ صاف شفاف چشمے بہ رہے ہیں اللہ تعالی نے اس زمین اور مکان کو اپنے نبی اور غلام کے لیے مختص کیا اور فرماتے ہیں کہ یہ زمین مصر کا ایک ٹکڑا تھا اور بعض مفسرین سے روایت ہے کہ اس سے فلسطین دمشق مراد ہے۔

اس کے مقابلے میں قادیانی مشیزی اور ان کی اتباع میں محمد علی لاہوری صاحب فرماتے ہیں کہ:

"یہاں "ربوہ" سے مراد کشمیر ہے"۔ [4]

مولوی محمد علی بھی اپنے سابقہ پیر و مرشد غلام احمد قادیانی کے ساتھ یہاں متفق نظر آتے ہیں کہ حضرت عیسی کشمیر آئے تھے۔

معلوم ہوا کہ مولوی محمد علی لاہوری کئی صاف معجزات کا انکار اور کئی مقامات پر ان معجزات کی عقل کے لبادے میں غیر عقلی اور نہ سمجھ آنے والی تاویلات کرتے ہیں جس میں عربی لغت، جغرافیہ اور دیگر فنی چیزوں کا کوئی خیال نہیں رکھتے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تاویل ہی نہیں بلکہ تفسیر بالرائے مذموم ہے۔

اسی طرح علامہ تمنا عمادی بھی انکار معجزات کرتے ہیں مگر انہوں نے معجزات کے سلسلے میں زیادہ زور نزول عیسی پر خرچ کیا ہے علامہ نے نزول عیسی علیہ السلام اور ان کے رفع ہونے کے واقعے کو بھی اپنی عقلی کسوٹی سے پرکھنے کی کوشش کی ہے اور قرآن کی آیات سے منقول شدہ واقعہ رفع اور نزول کے واضح اور صریح مضمون کو گڈ مڈ کرنے کی کافی کوششیں کی ہیں اور علامہ تمنا عمادی نے اس قضیہ کی روایات کو جھوٹا اور من گھڑت اور موضوع ثابت کرنے کی کوشش کی ہے

---

[1] لاہوری، محمد علی، بیان القرآن، ۱/ ۲۹۹

[2] المومنون:50

[3] ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۵/ ۴۱۴

[4] لاہوری، مولوی، محمد علی، بیان القرآن، 2/ 2416

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.03 (2025)

ملاحظہ ہو علامہ تمنا عمادی کی عبارت لکھتے ہیں:

> متقدمین کی کتابوں میں ان کے وضاع و کذاب نقل کرنے والے کو جہاں موقع مل جاتا تھا وہاں کچھ حدیثیں داخل کر دیتے تھے اور بعض اوقات تو وہ حدیثیں یا باب بے محل ٹھونس دیئے جاتے تھے۔ اس کی ایک مثال باب نزول عیسی بن مریم علیہ السلام بھی ہے اس باب میں دو حدیثیں گھڑ کر امام بخاری کے سر پڑ گئیں۔ [1]

سب سے پہلے تو امام بخاری حدثنا اسحاق حدثنا یعقوب بن ابراہیم سے شروع کرتے ہیں۔ تو یہ کون سے اسحاق ہیں پھر متعدد جگہ امام بخاری نے حدثنا اسحاق بن ابراہیم بھی لکھا تو قطعی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ یہ کون سے اسحاق بن ابراہیم ہیں؟

اس کے بعد امام بخاری کے شیوخ اور اسناد کے مختلف راویوں میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کے بعد لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسی علیہ السلام کے متعلق (بقول ابن شہاب زہری کے) دو باتیں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے فرمائی تھی۔

پہلی حدیث: ایک تو یہ کہ وہ آئیں گے تو ان کی کیا حیثیت ہو گی؟ اور وہ کیا کیا کریں گے؟ تو فرمایا کہ:

> قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «وَاللهِ، لَيَنْزِلَنَّ ابْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا عَادِلًا، فَلَيَكْسِرَنَّ الصَّلِيبَ، وَلَيَقْتُلَنَّ الْخِنْزِيرَ، وَلَيَضَعَنَّ الْجِزْيَةَ، ----، وَلَيَدْعُوَنَّ إِلَى الْمَالِ فَلَا يَقْبَلُهُ أَحَدٌ»[2]

> اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جب حضرت عیسی علیہ السلام اتریں گے تو وہ ایک عادل حکمران ہوں گے اور وہ یہ تین چیزیں کریں گے کہ صلیب کو توڑیں گے اور خنزیر کو ماریں گے جزیہ روک دیں گے اور اتنا زیادہ مال لٹائیں گے کہ کوئی لینے والا نہیں ہو گا۔

اس حدیث کو ابو ہریرہ سے سعید بن المسیب نے روایت کیا ہے۔

دوسری حدیث کہ حدیث میں (قول ابن شہاب ہے کہ) حضرت محمد نے فرمایا:

> «كَيْفَ أَنْتُمْ إِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْيَمَ فِيكُمْ وَإِمَامُكُمْ مِنْكُمْ؟»[3]

> اس وقت تم کس طرح ہوں گے جب کہ ابن مریم تم میں ہوں گے اور تمھارا امام ہو گا۔

دونوں باتیں جب حضرت عیسی علیہ السلام سے متعلق تھیں تو جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں باتیں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے کہی تھی اسی طرح ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کو بھی لازم تھا کہ جیسے کہتے بالکل اسی طرح کہتے تاکہ ان کے شاگردوں کو ان دو باتوں کا بخوبی پتہ ہوتا لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ بلکہ ایک حدیث ایک سے کہی اور اور دوسری حدیث دوسرے سے۔ تو ائمہ حدیث کی کتب موضوعات میں ایسی بہت کا حدیثیں ملیں گی جو نہ قرآن کے خلاف ہے نہ ہی قرآنی عقل و درایت کے خلاف مگر محدثین نے ان کو دوسرے اسباب کی بنا پر موضوع قرار دیا ہے اسی طرح کسی حدیث کے بعض راوی مجروح یا وضاع و کذاب ہیں چنانچہ اس بحث کا خلاصہ لکھتے ہیں کہ:

> کوئی بھی حدیث جو صحاح ستہ میں ہو یا حدیث کی دوسری کتب میں سب کی متفق علیہ ہی کیوں نہ ہو اس وقت تک صحیح نہیں کہی جا سکتی جب تک درایت قرآنیہ اس کی تصدیق نہ کریں پھر بھی اس حدیث کی قطعیت کے پاسنگ کو بھی نہیں پہنچ سکتی کیونکہ ایسی احادیث جو کہ قرآن کے مطابق ہیں وہ بھی در حقیقت ظنی ہیں اور وہ بھی موضوع ہو سکتی ہے۔ [4]

---

[1] تمنا عمادی، انتظار مہدی و مسیح، ص:186

[2] قشيري، مسلم بن الحجاج، الجامع الصحيح المسلم، دار إحياء التراث العربي- بيروت: 1334ھ، ج1، ص136، ح155

[3] قشيري، مسلم بن الحجاج، الجامع الصحيح المسلم، دار إحياء التراث العربي- بيروت: 1334ھ، ج1، ص136، ح155

[4] تمنا عمادی، انتظار مہدی و مسیح، ص:186

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.03 (2025)

نفس حدیث کے متن اور اس کی اسناد میں شکوک وشبہات پیدا کر کے اس راستے سے علامہ تمنا عمادی نزول عیسی علیہ السلام کا انکار کر رہے ہیں چنانچہ اس حوالے سے ایک اور حدیث ہے:

کوفہ اور بصرہ اور شام میں اس قسم کی حدیثیں گھڑی گئیں، چنانچہ نزول عیسی کے متعلق بھی جو حدیث گھڑی گئیں۔ تو ابن عباس اور ابو ہریرہ، ابن عبد اللہ، ابن عمرو بن العاص وغیرہ کی طرف منسوب کی گئیں۔ [1]

پھر تمنا عمادی لکھتے ہیں کہ:

نزول مسیح کے متعلق حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کے علاوہ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے بھی ایک حدیث روایت ہے جو کہ صرف صحیح مسلم میں ہے۔ ایک حدیث جابر بن عبد اللہ سے بھی ہے۔ وہ بھی صرف صحیح مسلم میں ہے صحیح بخاری کی دو حدیثوں کے علاوہ بس یہی حدیثیں ہیں صحاح کی جو نزول عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق گھڑی گئیں ہے۔

علامہ تمنا عمادی کے بیانات اور عبارات کا مقصد کچھ یوں ہے کہ یہ روایتیں دو تو بخاری میں ہیں اور آٹھ صحاح کی اور کتابوں میں جو نزول عیسی علیہ السلام کے متعلق ہیں سب کی سب گھڑی گئی ہیں سب کو فی وشامی موضوعین نے اپنی طرف سے بتائی ہے اور آیت قرآن:

وَإِن مِّنْ أَهْلِ ٱلْكِتَٰبِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِۦ قَبْلَ مَوْتِهِۦ ۖ وَيَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا۔ [2]

اس آیت کے بارے میں کہا کہ: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کر کے سامعین سے کہا کہ اگر چاہو تو اس آیت کا مطلب اس حدیث سے یا اس حدیث کا مطلب اس آیت سے واضح ہو جاتا ہے۔

تو تم تو تمام مفسرین و محدثین نے اس آیت کے مفہوم میں دھوکہ کھایا اور لَيُؤْمِنَنَّ بِهِۦ کی ضمیر اور قبل موته، دونوں کی ضمیر ہی کو مسیح کی طرف راجع کیا اور گویا کہ اس آیت کا اپنے ماقبل اور مابعد سے کوئی تعلق نہ تھا جو بھی اس آیت کا تعلق ہے، وہ اس حدیث سے ہے۔ کیونکہ قرآن میں تو مسیح کے دوبارہ دنیا میں وجود کا کہیں ذکر نہیں ہے اس حدیث سے جو اس آیت کا جوڑ ملایا گیا ہے وہ در حقیقت اس عقیدے کے ماتحت کہ حضرت عیسی علیہ السلام زندہ آسمان پر اٹھا لئے گئے اور وہ اس وقت تک وہاں زندہ ہیں اور ابھی وہ زندہ رہیں گے یہاں تک کہ وہ قیامت سے پہلے زمین پر اتریں گے اور چند سال زندہ رہ کر وفات پائیں گے اور ان کی یہ موت قیامت کے قریب ہو گی اور جب تک ان کی موت نہیں ہوتی اس وقت تک ہر فرد اھل کتاب کا اس بات پر ضرور ایمان لے آئے گا کہ ان کو کسی نے قتل نہیں کیا سولی نہیں دی بلکہ اللہ نے ان کو آسمان پر اٹھالیا۔

اب اس آیت کا جوڑ اس حدیث سے اس لئے نہیں ملایا گیا ہے کہ لوگ قرآن کے مطابق اپنا عقیدہ قائم کریں بلکہ اس لئے یہ جوڑ ملایا گیا ہے کہ لوگ اپنے عقیدے کے مطابق قرآن کی اس آیت کا مطلب لگالیں۔ [3]

معجزات کے انکار کے سلسلہ میں جناب غلام احمد پرویز صاحب دیگر عقلیت پسند حضرات کے ہم نوا ہیں اور کوئی بات بھی خلاف عقل اور خلاف فطرت بات کو تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہیں چنانچہ غلام احمد پرویز صاحب مطالب الفرقان میں لکھتے ہیں:

نسل انسانی میں جذبات، احساسات، خواہشات، تصورات اور معتقدات انسان کی ابتدائی دور سے متوارث چلے آرہے ہیں، انہی میں عجوبہ پسندی بھی ہے ابتدائی دور کے انسان کا شعور نیم بیدار یا نیم پختہ تھا اس لئے فطرت کا قانون علت و معلول اس کے سمجھ میں نہیں آتا تھا اس بنا پر وہ فطرت کے ہر مظہر اور کائنات کے ہر حادثہ کو خارق عادت خیال کرتا تھا۔" [4]

---

[1] تمنا عمادی، انتظار مہدی و مسیح، ص:198

[2] النساء:159

[3] تمنا عمادی، انتظار مہدی و مسیح، ص:232

[4] چوہدری غلام احمد پرویز، مطالب الفرقان، ۲۳/۴

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.03 (2025)

اسی مذکورہ اصول کی بنا پر پرویز صاحب نے عقلیت پسندی کا ثبوت دیتے ہوئے معجزات کا عام اور برملا انکار کرتے ہوئے لکھا:

"آپ ﷺ کو کوئی معجزہ نہیں دیا گیا قرآن کریم سے حضور ﷺ کا کوئی حسی معجزہ ثابت نہیں ہوتا"۔[1]

پرویز صاحب کے معجزات کے انکار کے لئے مذکورہ ایک ہی عبارت کافی ہے انہوں نے تو بس معجزے کا دروازہ ہی بند کر دیا، اب جہاں بھی کوئی معجزہ کا ذکر قرآن کریم میں آئیگا یہ اس کی من مانی تاویل کر کے اس کو رد کریں گے، جب معجزے کا دروازہ بند ہو گیا تو سمجھو کہ شریعت اسلام میں بات خلاف عقل یا عقل کی پہنچ سے دور ہو تو اس کو رد کریں گے یہی وجہ ہے کہ جنت، جہنم اور احوال حشر و نشر سب کا انکار کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

عیسی علیہ السلام کے معجزات کے حوالے سے دیگر عقلیت پسند حضرات کی طرح یہی روش غلام احمد پرویز نے بھی اپنائی ہے وہ عیسی علیہ السلام کی معجزانہ پیدائش سے انکار کا ایک بہت خطرناک موقف جو پرویز نے اپنایا اور حضرت عیسی علیہ السلام کے بن باپ پیدا ہونے کی نفی کی ہے۔[2]

پرویز صاحب حضرت عیسی علیہ السلام کے بن باپ معجزانہ پیدائش پر سوال اٹھاتے ہیں کہ:

اگر حضرت عیسی علیہ السلام کی پیدائش حضرت مریم کے بطن سے بن باپ ہوئی تھی تو یہ کس کا معجزہ تھا؟"۔[3]

یہ قول بہت سے یہود اور نصاری کے سکالرز کا بھی ہے پرویز صاحب ان حضرات سے اتنے متاثر ہیں کہ شریعت اسلام کی صریح نصوص کو چھوڑ کر استدلال میں عہد نامہ جدید سے نصوص پیش کرتے ہیں۔

ابن مریم کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا باپ نہیں تھا بلکہ بن باپ کے پیدا ہوئے، کیونکہ قرآن نے حضرت عیسی کو ابن مریم کہہ کر پکارا ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے کہ:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ كُونُوٓاْ أَنصَارَ ٱللَّهِ كَمَا قَالَ عِيسَى ٱبۡنُ مَرۡيَمَ لِلۡحَوَارِيِّـۧنَ مَنۡ أَنصَارِيٓ إِلَى ٱللَّهِۖ۔[4]

اے مومنو تم اللہ کے مددگار بن جاؤ جیسے اسی طرح حواریوں سے حضرت مسیح نے فرمایا تھا کہ وہ کون سے لوگ ہیں جو میرے مددگار بنیں اللہ کے واسطے؟

پرویز صاحب ابن مریم کی توجیہ یہ پیش کرتے ہیں کہ:

سامی اقوام کی رسم و ثقافت تھی کہ جو زیادہ مشہور ہو ماں باپ میں سے اولاد کی نسبت اس کی طرف کرتے تھے۔[5]

وہ کہتے ہیں کہ حضرت موسی علیہ السلام و ہارون کے والد کا نام کہیں نہیں آیا ہے جہاں ضرورت پیش آئی "ام موسی" کہا گیا جیسا کہ اللہ تعالی کا سورۃ النمل میں ارشاد گرامی قدر ہے کہ:

وَأَوۡحَيۡنَآ إِلَىٰٓ أُمِّ مُوسَىٰٓ۔[6]

اور ہم نے موسی علیہ السلام کی والدہ کو وحی کی"

الغرض جناب غلام احمد پرویز صاحب عیسی علیہ السلام کے باپ کے بغیر معجزانہ طور پر پیدا ہونے کو نہیں مانتے اور اس میں دیگر معجزات کی طرح اس میں بھی تاویل کرتے ہیں۔

---

[1] غلام احمد پرویز، معراج انسانیت، (لاہور، ادارہ طلوع اسلام، طبع ہفتم، ۲۰۰۲) ۷۰۳

[2] چوہدری غلام احمد پرویز، مطالب الفرقان، ۸۹/۴

[3] چوہدری غلام احمد پرویز، مطالب الفرقان، 73/۴

[4] الصف:14

[5] چوہدری غلام احمد پرویز، مطالب الفرقان، 921

[6] القصص:7

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.03 (2025)

سیدنا عیسی علیہ السلام کے زندگی کے بارے میں جو معجزہ اللہ تعالی نے قرآن کریم میں بیان فرمایا جناب جاوید احمد غامدی اس کا انکار کرتے ہیں جیسا کہ تفسیر البیان میں لکھتے ہیں:

یعنی روح قبض کر کے تیرا جسم بھی اپنی طرف اٹھالوں گا تا کہ یہ ظالم اس کی توہین نہ کر سکے۔[1]

یہاں صاف بیان کیا کہ روح قبض کرونگا اور پھر اٹھالوں گا، اس کی اگر اور وضاحت مطلوب ہو تو اس کی تفصیل جناب غامدی صاحب کی اس عبارت میں ہے:

"ایک جلیل القدر پیغمبر علیہ السلام کے زندہ آسمان سے نازل ہو جانے کا واقعہ کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے لیکن موقع بیان کے باوجود اس واقعے کی طرف کوئی ادنی اشارہ بھی قرآن کے بین الدفتین کسی جگہ مذکور نہیں ہے۔ علم و عقل اس خاموشی پر مطمئن ہو سکتے ہیں؟ اسے باور کرنا آسان نہیں ہے۔[2]

اس عبارت میں غامدی صاحب اس بات کے انکاری معلوم ہوتے ہیں جس میں اللہ تعالی نے فرمایا کہ "بل رفعہ اللہ" یعنی اللہ تعالی نے انہیں اٹھا لیا اور قرب قیامت اس کا نزول ہو گا، ہاں یہاں یہ بات ہو سکتی ہے کہ کوئی اشکال کر کے کہ غامدی صاحب کی مذکورہ عبارت آپ کے ذکر کردہ دعوے میں صریح نہیں ہے مگر در حقیقت غامدی صاحب تو سرے سے عیسی علیہ السلام کی حیات کے قائل ہی نہیں ہے وہ تو کہتے ہیں کہ سیدنا عیسی علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں۔[3]

انکار معجزات میں جناب جاوید احمد غامدی صاحب بھی پیش پیش ہے خاص کر وہ معجزات جن کا تعلق عیسی علیہ السلام سے ہیں جیسا کہ ذکر ہوا کہ غامدی صاحب عیسی علیہ السلام کے بطور معجزاہ کے آسمانوں پر اٹھایا جانے کے واضح انکار کرتے ہیں ہیں حالانکہ قرآن مجید میں رفعت سیدنا عیسی میں صریح نصوص ملتے ہیں ایک درجن سے زیادہ صحیح احادیث بھی ہیں، انہی صحیح احادیث کی بنیاد پر اس عقیدے پر اجماع امت ہے اور قرآن کریم میں حیات عیسی علیہ السلام سے متعلق ارشاد خداوندی ہے:

بَل رَّفَعَهُ ٱللَّهُ إِلَيۡهِۚ وَكَانَ ٱللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا۔[4]

اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالی نے حضرت مسیح کو آسمانوں کی طرف اٹھالیا باری تعالی عزیز اور حکمت والا ہے۔

یہ آیت حضرت عیسی علیہ السلام کے زندہ ہونے پر واضح دلیل ہے اور یہودیوں نے ہر گز قتل نہیں کیا۔

خلاصہ کلام یہ کہ سیدنا عیسی علیہ السلام کے مختلف معجزات ہیں جن میں سے کچھ آپ کے ہاتھ سے ظاہر ہوئے ہیں اور کچھ اللہ تعالی نے آپ سے متعلق یعنی آپ کے بن باپ کے پیدائش اور آسمانوں پر اُٹھائے جانے وغیرہ کے بارے میں ظاہر فرمائیں ان معجزات کے بارے میں جناب تمنا عمادی صاحب نے بغیر تاویل کے صریح انکار کیا جبکہ جناب غلام احمد پرویز صاحب، مولوی محمد علی لاہوری صاحب اور جناب ڈاکٹر جاوید احمد غامدی صاحب نے کہیں صریح اور کہیں تاویل کر کے انکار کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات معجزات کے انکار میں عقلیت پسندی کے اصول کی وجہ سے پیش پیش ہیں۔

موسی علیہ السلام کے معجزات اور عقلی رجحان کی آراء کا جائزہ:

عقلیت پسند حضرات نے دیگر معجزات کی طرح سیدنا موسی علیہ السلام کے مختلف واقعات میں بھی عقلی اور من پسند تاویلات کی ہے سیدنا موسی علیہ السلام کے قرآن میں کل سولہ معجزات ہیں جس پر جمہور مفسرین کا اتفاق ہے جس میں سے تو معجزات واضح آیت میں موجود ہے اللہ تعالی کا ارشاد گرامی قدر ہے:

وَلَقَدۡ ءَاتَيۡنَا مُوسَىٰ تِسۡعَ ءَايَٰتِۭ بَيِّنَٰتٖۖ فَسۡـَٔلۡ بَنِيٓ إِسۡرَٰٓءِيلَ إِذۡ جَآءَهُمۡ فَقَالَ لَهُۥ فِرۡعَوۡنُ إِنِّي لَأَظُنُّكَ يَٰمُوسَىٰ مَسۡحُورًا۔[5]

---

[1] جاوید احمد غامدی، تفسیر البیان، ۱/ ۳۶۰

[2] جاوید احمد غامدی، تفسیر البیان، ۱/ ۳۶۰

[3] غامدی، جاوید احمد، میزان، مئی ۲۰۰۸، ۱۷۸

[4] النساء:156

[5] الاسراء:101

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.03 (2025)

"اور بلاشبہ یقینا ہم نے موسی کو نو واضح نشانیاں دیں، سو بنی اسرائیل سے پوچھ ، جب وہ ان کے پاس آیا تو فرعون نے اس سے کہا یقینا میں تو تجھے اے موسی جادو زدہ سمجھتا ہوں۔

اس آیت کریمہ میں موسی علیہ السلام کے نو معجزوں کا ذکر کیا گیا ہے، سورۃ البقرہ میں اللہ تعالی کا ارشاد گرامی قدر ہے:

وَإِذِ ٱسۡتَسۡقَىٰ مُوسَىٰ لِقَوۡمِهِۦ فَقُلۡنَا ٱضۡرِب بِّعَصَاكَ ٱلۡحَجَرَۖ فَٱنفَجَرَتۡ مِنۡهُ ٱثۡنَتَا عَشۡرَةَ عَيۡنٗاۖ[1]

اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لئے پانی مانگا تو ہم نے کہا اپنی لاٹھی پتھر پر مارو، چنانچہ اس (پتھر) سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔

اس آیت کریمہ میں جس معجزے کا بیان ہے اس کے حوالے سے غلام احمد پرویز صاحب اس کا مفہوم یوں بیان کرتے ہیں کہ:

تم اپنی تاریخی واقعہ کو بھی دیکھ لیں جب تمہیں پانی کی ضرورت ہوئی تو حضرت موسی نے اس کیلئے ہم سے درخواست کی تو ہم نے اس کی رہنمائی اس مقام کی طرف کر دی جہاں پانی کے چشمے مستور تھے وہ اپنی جماعت کو لے کر وہاں پہنچا، پتھر پر سے مٹی ہٹائی تو ایک، دو نہیں 12 چشمے بہ پڑے۔[2]

پرویز صاحب کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بالکل اس معجزے کے انکاری نظر آتے ہیں اس وجہ سے وہ اس کی عقلی تاویل کرتے ہیں۔

جناب غلام احمد پرویز صاحب کی طرح جاوید احمد غامدی صاحب بھی جہاں کسی معجزہ کی کوئی عقلی وجہ نہ بن پاتا ہو وہاں امت کے مسلمہ اصول کے برخلاف اسے رد کر کے اپنے عقلی توجیہ پیش کرتے ہیں معجزات کے میدان میں بعض معجزات کی تاویلات کی ہے جیسے کوہ طور کا معلق کیا جانا اس بارے میں ارشاد خداوندی ہے:

واذأخذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ۔[3]

(اس وقت کو یاد کرو جب ہم نے تم پر طور کو اٹھا کر وعدہ لیا)

جمہور مفسرین کے اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ یہاں کوہ طور کو اللہ تعالی نے حقیقتا اٹھالیا اور وہ ان کے سروں پر معلق تھا، جس کی وجہ ان کو ڈرانا تھا جبکہ غامدی صاحب فرماتے ہیں کہ:

"قرآن اور بائبل دونوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل سے یہ عہد پہاڑ کے دامن میں اس طرح لیا گیا کہ طور اپنی جگہ سے اکھڑ کر سائبان کی طرح ان کے سروں پر لٹک رہا تھا اور انہیں لگتا تھا کہ وہ ان پر گر کر رہے گا گویا اس واقعہ کا کوئی معجزانہ پہلو نہ تھا۔[4]

قرآن میں تو صاف واضح ہے کہ پتھر حقیقی طور پر اٹھالیا گیا جبکہ غامدی صاحب قرآن کے بجائے بائبل کو ترجیح دے کر قرآن میں تاویل کر رہے ہیں جو کہ در حقیقت تاویل نہیں تحریف ہے۔

معراج اور دیگر معجزات کے بارے میں عقلیت پسند رجحان کا تصور:

معجزات کے بارے میں عقلیت پسند حضرات کا انکاری تصور مجموعی رہا ہے یعنی سب اس بات پر متفق ہیں کہ چونکہ معجزہ خوارق عادت اور عقل سے ماوراء ہے لہذا وہ اس کی حقیقت سے انکار کرتے ہیں مفسر بیان القرآن مولوی محمد علی لاہوری صاحب نے اپنے عقلی نظریات کے مطابق معجزات اور اس سے متعلق قرآن کریم میں مذکور مصطلحات کے خاص معانی مراد لئے ہیں جیسے کہ معراج کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ رب العزت کا فرمان گرامی قدر ہے:

وَهُوَ بِٱلۡأُفُقِ ٱلۡأَعۡلَىٰ۔[5]

---

[1] البقرہ:60

[2] چوہدری غلام احمد پرویز، مطالب الفرقان، ۲۴۵/۲

[3] البقرۃ:63:2

[4] جاوید احمد غامدی، تفسیر البیان، ۴۹/۱

[5] النجم:7

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.03 (2025)

"جبکہ وہ بلند افق پر تھا۔

مفسرین عظام کا قاعدہ ہے جہاں کوئی داعی اور ضرورت نہ ہو وہاں کلام کو اپنے اصل معنی پر محمول کیا جائے اور یہی عام قاعدہ اور اصول رائج ہے یہاں پر بھی باتفاق مفسرین حسی طور پر بلند افق مراد ہے جبکہ امت کے علماء کرام کے برخلاف مولوی محمد علی لاہوری صاحب فرماتے ہیں کہ:

اس آیت سے مراد یہ ہے کہ آپ علو اور بلند مرتبہ کے انتہائی مقامات کو پہنچ گئے۔ [1]

معلوم ہوا کہ محمد علی لاہوری صاحب نے یہاں حسی علو اور بلندی کے بجائے معنوی بلندی یعنی مرتبے اور درجات کی بلندی مراد لی ہے اسی سورۃ کی اگلی آیت میں فرمان خداوندی ہے:

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّى۔[2]

پھر وہ جھک پڑا اور قریب آیا۔

یہاں بھی اپنی عقل کی بنیاد پر مفسر صاحب فرماتے ہیں کہ:

"مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا اللہ تعالی سے ایسا قرب شدید کا تعلق ہوا کہ جس سے بڑھ کر قرب ممکن نہیں یعنی انسانی تعلقات میں"۔ [3]

مولوی محمد علی صاحب کے نزدیک رسول ﷺ کا معراج جسد عنصری سے نہ تھا جو کچھ دیکھا وہ دل نے دیکھا، یہاں پر بھی امت کے اجماع کے برخلاف انہوں نے حسی اور جسد مع الروح کے معراج کا انکار کیا ہے اور معنوی معراج جو کہ دل کا دیکھنا ہے مراد لیا ہے مولوی محمد علی لاہوری قادیانی صاحب کی عجیب تاویلات میں سے یہ بھی ہے کہ اس سورۃ اور اس معراج کے واقعے کے تتمہ میں سے یہ ہے کہ:

عِندَ سِدْرَةِ ٱلْمُنتَهَىٰ۔[4]

اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ یہاں سدرہ المنتھی ایک بیری کے درخت کو کہتے ہیں۔

چونکہ شروع کے الفاظ میں مفسر صاحب نے تاویل کر دی اب یہاں لفظ "سدرہ" جو کہ ہر چھوٹا بڑا ذی عقل جانتا ہے کہ اس سے مراد بیری کا درخت ہے لہذا گذشتہ تاویلات کی بنیاد پر اب یہاں بھی انہیں تاویل کرنے کی ضرورت پیش آئی بلکہ تاویل ضروری ہوئی، اس وجہ سے محمد علی لاہوری صاحب لکھتے ہیں:

سدرہ سے مراد درخت نہیں بلکہ یہاں اس سے مراد ایک خاص مقام ہے جس سے آگے کسی انسان کا علم ترقی نہیں کر سکتا لہذا آپ کا علم بھی اس کمال کو پہنچا جس سے آگے ترقی ممکن نہیں۔ [5]

عجیب بات ہے کہ درخت اور قرب کا کیا تعلق ہے؟ یہ ایسی تاویلات میں سے ہیں کہ اگر کوئی اور کرتا اور پھر مفسر صاحب کے سامنے پیش کرتا تب یہ خود بھی کہتا کہ یہ تاویل دور از کار است۔

جیسا کہ عقلیت پسند حضرات خواہ وہ مولوی محمد علی ہو یا غلام احمد پرویزی اور جاوید احمد غامدی ہو سب کے سب کا یہ معمول رہا ہے کہ وہ معجزات جو ان کی عقل کے زاویے سے اوپر ہو ان میں یا تو تاویلات کرتے ہیں یا بالکل انکار کرتے ہیں یہی روش ان کے مکتبہ فکر کے روح رواں محمد علی لاہوری نے بھی اپنائی ہے محمد علی لاہوری صاحب نے اپنی خاص عقلیت پسند نکتہ نظر کے مطابق قصص القرآن کی تعبیرات کی ہیں ان کی طرف سے خوارق عادات معجزات اور قدرت اللہ کا انکار، مختلف قصص میں بڑا نمایاں نظر آتا ہے ان کی یہ تعبیرات اصول تفسیر، صحابہ کرام کے علم و فہم اور سلف و خلف کے تفسیری ذخیرہ کے برعکس ہے بالفاظ دیگر ایمان بالغیب کا انکار ہے وہ غیبی واقعات اور امور جو عام مشاہدے کے خلاف ہیں، ہر انسان کو ان پر قدرت و اختیار نہیں دیا جاتا یہ انبیاء کے ساتھ خاص ہے

---

[1] لاہوری، مولوی، محمد علی، بیان القرآن، ۲۳۰۰/۳

[2] النجم:8

[3] لاہوری، مولوی، محمد علی، بیان القرآن، ۲۳۰۰/۳

[4] النجم:14

[5] لاہوری، مولوی، محمد علی، بیان القرآن، ۲۳۰۲/۱

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.03 (2025)

اور تاریخ انبیاء کے یہ پہلو اللہ رب العزت نے ہمارے سامنے رکھے ہیں لیکن اس مسلمہ حقیقت کے باوجود ہر وہ امر جو صاحب بیان القرآن کی عقل و فہم اور قوت ادراک سے ٹکراتا ہو وہ اس کی تاویلات کرتے ہیں۔

آیات آخرت سے متعلق عقلیت پسند مفسرین کی آراء

تصور آخرت کے بارے میں عقلیت پسند حضرات تصور آخرت اور آخرت سے پہلے کے جو احوال ہیں ان میں یا تو صریح انکار کرتے ہیں یا عقلی تاویلات بیان کرتے ہیں جو کہ درحقیقت تاویلات نہیں بلکہ تحریفات ہیں۔

تصور آخرت کے بارے میں تو ایک تصور اور عقیدہ آخرت سے پہلے والی علامات کا ہے جن کو احادیث میں اشراط الساعۃ کہا جاتا ہے یہ علامات اور اشراط الساعۃ اگرچہ قیامت اور آخرت تو نہیں ہے مگر آخرت کی تکمیل کا ایک حصہ ضرور ہیں اس حوالے سے دوسری چیز نفس آخرت کا تصور ہے نفس آخرت کے بارے میں تو قرآن اور احادیث کی صریح نصوص منقول ہیں اور قیامت کے واقع ہونے کے قرآن حکیم میں ایسے مضبوط عقلی دلائل دیے گئے ہیں کہ صاحب عقل اس کے انکار کا جرات نہیں کر سکتا۔ وقوع قیامت کے بارے میں سورہ اعراف میں ارشاد ہے:

كَمَا بَدَأَكُمْ تَعُودُونَ۔[1]

جس طرح اُس نے تمہیں اب پیدا کیا ہے اسی طرح تم پھر پیدا کیے جاؤ گے۔

سورہ مریم میں ارشاد خداوندی ہے:

وَيَقُولُ ٱلْإِنسَٰنُ أَءِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ أُخْرَجُ حَيًّا ٦٦ أَوَلَا يَذْكُرُ ٱلْإِنسَٰنُ أَنَّا خَلَقْنَٰهُ مِن قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْـًٔا۔[2]

انسان کہتا ہے کیا واقعی جب میں مر چکوں گا تو پھر زندہ کر کے نکال لایا جاؤں گا؟ کیا انسان کو یاد نہیں آتا کہ ہم پہلے اس کو پیدا کر چکے ہیں جب کہ وہ کچھ بھی نہ تھا؟

یہ قیامت اور آخرت کا اسلامی اور قرآنی تصور تھا جو یہاں مختصراً پیش کیا گیا یہی تصور امت مسلمہ میں متفق علیہ ہے جس میں تاحال سوائے عقلیت پسند حضرات کے کسی نے بھی اختلاف نہیں کیا ہے اور عقلیت پسند حضرات اس میں اپنی من مانی تاویلات کرتے ہیں۔

لفظ آخرت اور الساعۃ کا مفہوم اور عقلیت پسند رجحان کی آراء:

قرآن کریم میں لفظ آخرت بہت ہی کثرت سے استعمال ہوا ہے جس کا مفہوم تو امت مسلمہ کے یہاں ایک معلوم اور معروف حقیقت ہے جو چودہ سو سال چلا آرہا ہے جب کہ عقلیت پسند حضرات میں غلام احمد پرویز آخرت کا معنی و مفہوم مستقبل کے لیتے ہیں جس میں اس کا اکثر دنیاوی مستقبل مراد ہوتا ہے مطالب الفرقان میں آخرت کا معنی و مفہوم اپنے مخصوص انداز میں یوں بیان کرتے ہیں:

1۔ ہر فرد کا آنے والا کل اس کا مستقبل ہے۔

2۔ ہر قوم کا اگلا دور اس کا مستقبل ہے خواہ وہ عروج کا ہو یا زوال کا۔

3۔ عالمگیر انسانیت کی ہر موجودہ نسل کے بعد آنے والی نسل اس کا مستقبل ہے۔

4۔ مرنے کے بعد کی زندگی ان کا مستقبل ہے۔[3]

یہاں اس عبارت میں اگر دیکھا جائے تو اس میں جو آخرت کا مفہوم بیان ہوا ہے اس کا اکثر تعلق دنیاوی زندگی سے ہے جب کہ تمہید میں بیان کردہ آیات سے قیامت کا جو تصور معلوم ہوتا ہے اس کا دنیا سے کوئی تعلق نہیں ہے اس سے مراد تو یہ ہے کہ جب اللہ تعالی اپنی منشا کے مطابق اس دنیا کو ختم کر دینگے اور ایک دوسرا جہاں قائم ہوگا جہاں بڑوں کو ان کی برائی اور نیک لوگوں کو ان کی نیکی کا بدلہ دیا جائیگا اسے قیامت کہا جاتا ہے۔

جب کہ غلام احمد پرویز نے قیامت سے مستقبل مراد لے لیا پھر اس کو تقسیم کیا مستقبل قریب اور مستقبل بعید میں یعنی دنیا اور آخرت کی زندگی میں، جناب پرویز نے قیامت سے متعلق جن چار نظریات اور تصورات کا ذکر کیا ان میں پہلے تین کا تعلق مستقبل قریب یعنی دنیا سے ہے جس کا قرآن میں کوئی تصور نہیں

---

[1] الاعراف:28

[2] مریم:66-67

[3] چوہدری غلام احمد پرویز، مطالب الفرقان، ج:۱، ص:۱۴۵

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.03 (2025)

ہے کہ قرآنی عبارات سے کئی یہ معلوم ہو کہ قیامت سے مراد اس دنیا میں قائم کردہ ایک گھڑی ہے اور اگر قرآن سے ہٹ کر عقل کے ترازو میں قیامت کا تصور تولا جائے تو چودہ سو سال میں اُمت میں یہ نظریہ جو پرویز نے پیش کیا کسی نے پیش نہیں کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ نظریہ غلام احمد پرویز صاحب کا اپنے عقل کا گھڑا ہوا نظریہ ہے جس کے پشت پر نہ عقل ہے اور نہ ہی نقل ہے۔

رہی قیامت کی آخری اور چوتھی صورت جس میں پرویز نے قیامت کا صحیح تصور پیش کیا ہے مگر جب قاری کے ذہن میں پہلے والی تصورات رائج ہو گئے تو یہ آخری تصور تقریباً کمزور اور مخدوش ہو گیا اور مطالب الفرقان میں یہی جناب غلام احمد پرویز صاحب کی کاوش نظر آتی ہے۔

قرآن کریم میں قیامت کے لئے جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں عقلیت پسند حضرات نے ان الفاظ میں تاویل سے کام لیا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں آخرت اور قیامت کے لئے لفظ "الساعہ" زیادہ استعمال ہوا ہے سورۃ الانعام میں الساعۃ کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے:

حَتَّىٰٓ إِذَا جَآءَتۡهُمُ ٱلسَّاعَةُ بَغۡتَةٗ قَالُواْ يَٰحَسۡرَتَنَا عَلَىٰ مَا فَرَّطۡنَا فِيهَا وَهُمۡ يَحۡمِلُونَ أَوۡزَارَهُمۡ عَلَىٰ ظُهُورِهِمۡۚ أَلَا سَآءَ مَا يَزِرُونَ۔[1]

اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب فورا قیامت برپا کریں گے تو یہ لوگ واضح قیامت کے منکر ہوں گے کہیں گے کہ بڑی افسوس کہ ہم نے بہت اس کو ہلکا لیا تھا اور انکار کیا تھا اور اس وقت ان پر غلطیوں کا ڈھیر لدا ہو گا تو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو خبر دار کر رہے ہیں۔

چونکہ قیامت کے لئے یہ لفظ زیادہ استعمال ہوا ہے اس لئے ان عقلیت پسند رجحان رکھنے والوں نے زیادہ تر تاویلات بھی اسی لفظ میں کرنے کی کوشش کی ہے مثلا: جہاں لفظ الساعۃ آیا ہے جناب غلام احمد پرویز صاحب اس لفظ کے بارے میں صاف الفاظ میں یہ تصریح نہیں کرتے کہ اس "الساعہ" سے یہاں اللہ تعالیٰ کا مراد قیامت ہے بلکہ یہاں بھی تاویل نہیں تحریف سے کام لیتے ہوئے اس لفظ سے انقلاب کی گھڑی مراد لیتے ہیں، جیسا کہ جناب غلام احمد پرویز صاحب مطالب الفرقان میں جابجا اس لفظ کے حوالے سے قمطراز ہیں:

"الساعۃ سے مراد انقلاب کی گھڑی ہے جو کہ اس جہاں میں برپا ہو گا۔[2]

مطالب الفرقان میں جناب پرویز صاحب کی مذکورہ تاویل اُمت میں چودہ سو سال سے کسی نے نہیں کی ہے گویا یہ صرف پرویز صاحب کی عقلی توجیہ ہے اگر یہ صرف نصوص قرآنی اور احادیث مبارکہ کے خلاف ہوتی اور عقل کے موافق ہوتی تب بھی کچھ کہا جاسکتا جب کہ یہاں تو عقل میں بھی تفرد ہے جس کا معنی یہ ہوا کہ یہ عقلی رجحان ہی نہیں سینہ زوری ہے جس کو یہ لوگ عقل کا بیان کہتے ہیں۔

الغرض یہ تو دو امثلہ پیش کی گئی در حقیقت تصور قیامت اور آخرت کے بارے میں جتنے بھی الفاظ ہیں عقلیت پسند حضرات میں سے جناب غلام احمد پرویز نے اس میں ایسی تاویلات پیش کی ہیں جو تاویلات کے ضمن میں نہیں آتیں بلکہ یہ محض تحریفات ہیں جس نے قرآن اور اسلام کا حلیہ ہی بگاڑ دیا۔

خلاصہ کلام یہ کہ عقلیت پسند حضرات میں سے غلام احمد پرویز صاحب جہاں قیامت کے بارے میں قرآن کریم کی آیات کا تفسیر قرآن کے برخلاف کرتے ہے وہی علامات قیامت (اشراط الساعہ) کے بارے میں بھی تاویلات کرتے ہے جو کہ نہ صرف نقل کے برخلاف ہے بلکہ عقل کے بھی خلاف ہے اس لئے کہ یہ عقلی تاویل تاحال کسی نے بھی نہیں کی ہے اگر عقل کے موافق ہوتے تو چودہ سو سالہ تاریخ میں کوئی نہ کوئی اس طرح کا عقلی تجزیہ پیش کرتا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تاویل میں غلام احمد پرویز منفرد ہے اور ایسی تاویل جس میں کوئی منفرد ہو اسے تاویل نہیں تحریف کہا جاتا ہے جس کا مطلب ہے کہ وہ اس چیز کو مسخ کرنا چاہا ہے۔

انکار جنت و جہنم:

شریعت اسلام کا ایک مسلم عقیدہ ہے کہ جب اس دنیا سے لوگ رخصت ہو کر آخرت میں جائینگے تو وہاں حشر ہو گا لوگوں کو جزاء و سزاء دی جائے گی، اچھوں کو ان کی اچھائی کے بدلے جنت اور بروں کو ان کی برائی کے بدلے جھنم ملے گی جنت اور جہنم دنیاوی چیزیں نہیں ہیں بلکہ ان دونوں کا تعلق آخرت سے ہے اور یہ

[1] الانعام:31

[2] چوہدری غلام احمد پرویز، مطالب الفرقان، ج:ا، ص:425

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.03 (2025)

کوئی تمثیلی اور معنوی چیزیں بھی نہیں ہیں بلکہ حقیقت ہے قرآن اور احادیث مبارکہ میں ان کا مختلف مقامات پر بہت تذکرہ ہوا ہے بطور نمونہ اس کی ایک مثال قرآن کریم کی سورۃ المطففین سے پیش خدمت ہے:

ثُمَّ يُقَالُ هَٰذَا ٱلَّذِي كُنتُم بِهِۦ تُكَذِّبُونَ ١٧ كَلَّآ إِنَّ كِتَٰبَ ٱلْأَبْرَارِ لَفِي عِلِّيِّينَ ١٨ وَمَآ أَدْرَىٰكَ مَا عِلِّيُّونَ ١٩ كِتَٰبٌ مَّرْقُومٌ ٢٠ يَشْهَدُهُ ٱلْمُقَرَّبُونَ ٢١ إِنَّ ٱلْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ٢٢ عَلَى ٱلْأَرَآئِكِ يَنظُرُونَ ٢٣ تَعْرِفُ فِي وُجُوهِهِمْ نَضْرَةَ ٱلنَّعِيمِ ٢٤ يُسْقَوْنَ مِن رَّحِيقٍ مَّخْتُومٍ۔[1]

اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جب اللہ تعالی جہنمیوں کو دوزخ میں ڈالیں گے پھر ان سے فرمائیں گے کہ تم نے جن چیزوں کا انکار کیا اج تمہیں اس میں ڈالا اور نیک لوگوں کے لیے علیین میں اعمال نامے ہوں گے اور تمہیں علیین کا کیا معلوم ؟ جسے مقرب فرشتے دیکھتے ہیں ، وہ ایک کتاب لکھی ہوئی ہے یقین جانو کہ بڑی نعمتوں میں نیک لوگ ہوں گے ، نظارہ کر رہے ہوں گے آرام دہ نشستوں پر بیٹھے ، ان کے چہروں پر جو رونق آئے گی نعمتوں میں رہنے سے ،اسے تم صاف پہچان لوگے۔

یہ تو قرآن کی وہ آیات کریمہ ہیں جو اس بات کی شاہد عدل ہے کہ اس دنیا کے بعد ایک اور جہاں قائم ہو گا اور اس میں جنت اور جہنم بھی ہو گی اور حقیقی ہونگے کوئی تمثیلی اور معنوی بات بھی نہیں ہو گی مگر اس کے بر خلاف عقلیت پسند حضرات ان کو تمثیلی اور معنوی چیز پیش کرتے ہیں جیسا کہ جناب غلام احمد پرویز صاحب اس کو عقلی تمثیل اور استعارہ قرار دیتے ہوئے اپنی تفسیر مطالب الفرقان میں ایک مقام پر رقمطراز ہیں کہ:

"قرآن نے کہا کہ جحیم مشعل کرنے والی چیز اور پھنسا دینے والی چیز ہے۔ یاد رکھے جنت اور جہنم کے سلسلے میں یہ سارے بیانات تمثیلی ہیں۔۔۔ بادہ رحیق کو جو ہم نے مشک سے سر بمہر (Seal) کیا ہے۔ اس میں کیا چیز ہے؟ اس میں وہ شے ہے جس سے جو جتنا آگے جانا چاہے جاتا جائے ، چلتا جائے ، بڑھتا چلا جائے۔ یہ جنت کی تمثیلی کیفیت ہے۔[2]

قرآن وحدیث اور سلف صالحین کی تفاسیر میں اس تمثیلی کیفیت کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے مگر ۱۴۰۰ سال بعد جناب پرویز صاحب اپنی عقلی بصیرت کو قرآن کی بات کہہ کر پیش کرتے ہیں ان کے نزدیک ایک اخروی جنت (حسب دعوی) ہے اور ایک دنیوی جنت ہے یعنی جنت کی بھی دو قسمیں ہیں ایک دنیا میں جنت ہے اور ایک آخرت میں بروز قیامت کی جنت کا تصور ہے دوسری جنت کے بارے میں لکھتے ہیں:

دوسری جنت وہ ہے جو نظام خداوندی کے اتباع سے اسی دنیا میں متشکل ہو جاتی ہے۔ یعنی وہ جنتی معاشرہ جو قرآن کے خطوط کے مطابق قائم ہوتا ہے۔ اس جنت کی تفاصیل اسی دنیا سے متعلق ہیں اور نہ صرف یہ کہ ہماری سمجھ میں آسکتی ہیں ، بلکہ ہم خود اس جنت کو پیدا کر سکتے ہیں اور اس کی فضاؤں میں زندگی گزار سکتے ہیں۔ یہ ہے وہ جنت جس میں قرآن نے مردوں کیساتھ عورتوں کا بھی ذکر کیا ہے اور کرنا چاہیے بھی۔ اس لیے کہ وہ کون سا معاشرہ ہے جو عورتوں کے بغیر، تنہا مردوں کے ذریعے قائم ہو سکتا ہے۔[3]

بعد از مرگ ملنے والی جنت کو اسی دنیا میں کھینچ لانے کی کوشش نمایاں دکھائی دے رہی ہے آخروی جنت کو بظاہر تسلیم کرنے کے باوجود قرآن کی اس اصطلاح جنت کی تمام صفات کو دنیوی " جنتی معاشرے " پر منطبق کرتے چلے جاتے ہیں۔ البتہ جہاں جہاں اس جنت کا اقرار مصلحتاً کرنا پڑے تو اسے ہلکا سا چھو کر گزر جاتے ہیں تاکہ یہ باور کرا سکے کہ میں حقیقی جنت اور اس کے مفہوم کا بھی قائل ہوں۔

خلاصہ کلام یہ کہ جنت اور جھنم دونوں حقیقی ہے قرآن کریم نے ان کا بالکل صاف اور واضح تصور پیش کیا ہے کہ بدکاروں کو ان کی بدی کی سزاء کے لئے جو جگہ بنائی گئی ہے اسے جہنم کہا جاتا ہے اور نیک کاروں کے لئے ان کی نیکی کا بدلہ دینے کے لئے جو جگہ بنائی گئی ہے اسے جنت کہا جاتا ہے اور یہی ایک ہی معنی اور مفہوم

---

[1] المطففین:16-25

[2] چوہدری غلام احمد پرویز، مطالب الفرقان، ۳۵۶/۴

[3] چوہدری غلام احمد پرویز، طاہرہ کے نام خطوط، (لاہور، ادارہ طلوع اسلام، طبع ہشتم، 2001ء)، ۴۳

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.03 (2025)

قرآن کریم میں رائج ہے مگر جناب غلام احمد پرویز اس جنت کو دو معانی بیان کرتے ایک وہ جنت اور جہنم جو حقیقی ہے اور اس کا تعلق قیامت اور آخرت سے ہے اور دوسری وہ جنت اور جہنم جس کا تعلق دنیا سے ہے۔

تفسیر میں تجدد پسندی کے نقصانات

1۔ اصولِ تفسیر سے انحراف

تجدد پسند منہج میں بعض اوقات تفسیر کے مسلمہ اصول، جیسے اسبابِ نزول، ناسخ و منسوخ، اقوالِ صحابہؓ اور سنتِ نبوی ﷺ کو ثانوی حیثیت دی جاتی ہے، جس سے قرآن کی تعبیر میں بے ضابطگی پیدا ہوتی ہے۔ امام سیوطیؒ لکھتے ہیں:

"جو شخص علومِ قرآن سے ناواقف ہو، اس کے لیے تفسیر میں گفتگو کرنا جائز نہیں۔"[1]

2۔ سنتِ نبوی ﷺ کی حیثیت کو کمزور کرنا

بعض جدید رجحانات قرآن کو واحد تشریعی ماخذ قرار دے کر سنت کی حجیت کو محدود کرتے ہیں، جبکہ قرآن مجید واضح حکم دیتا ہے:

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ﴾۔[2]

"رسول تمہیں جو کچھ دیں وہ لے لو۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"ألا إني أوتيت القرآن ومثله معه"۔[3]

"خبردار! مجھے قرآن کے ساتھ اس جیسی ایک اور وحی (سنت) بھی عطا کی گئی ہے۔"

3۔ عقائد میں تشکیک

تجدد پسند تعبیرات میں کبھی معجزات، ملائکہ، جنات، جہنم اور دیگر غیبی حقائق کی غیر ضروری تاویل کی جاتی ہے، جس سے اسلامی عقائد کی اصل صورت متاثر ہوتی ہے۔ قرآن فرماتا ہے:

﴿الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ﴾۔[4]

غیب پر ایمان اہلِ ایمان کی بنیادی صفت قرار دیا گیا ہے۔

4۔ معجزات کی غیر ضروری تاویل

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات اور واقعۂ معراج جیسے واقعات کو بعض جدید مفکرین علامتی یا نفسیاتی واقعات قرار دیتے ہیں۔ امام ابن کثیرؒ نے ان معجزات کو حقیقی قرار دیتے ہوئے ان کی ظاہری دلالت کو برقرار رکھا ہے۔[5]

5۔ فقہی نظام پر منفی اثرات

بعض جدید تعبیرات حدود، وراثت، پردہ، تعددِ ازواج اور دیگر قطعی احکام کو وقتی یا سماجی حالات سے مشروط قرار دیتی ہیں، جس سے شریعت کی قطعیت متاثر ہوتی ہے۔ امام شاطبیؒ لکھتے ہیں:

"اجتہاد شریعت کے قطعی اصولوں کے خلاف نہیں ہو سکتا۔"[6]

---

[1] السیوطي، عبد الرحمن بن أبي بكر، الإتقان في علوم القرآن، الهيئة المصرية العامة للكتاب الطبعة: 1394ھ/1974م، ج1، ص27

[2] الحشر: 59:7

[3] ابو داؤد، سلیمان بن الاشعث، سنن ابی داؤد، المطبعة الأنصارية بدهلي-الهند 1323ھ، ج4، ص109، ح4604

[4] البقرة: 2:3

[5] ابن کثیر، إسماعیل بن عمر بن کثیر، تفسیر ابن کثیر، دار طيبة للنشر والتوزيع الطبعة: الثانية 1999م، ج3، ص59

[6] شاطبي، إبراهيم بن موسى بن محمد، الموافقات، دار ابن عفان الطبعة: الأولى، 1997ء، ج4، ص18

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.03 (2025)

6۔ امت میں فکری انتشار

جب ہر شخص اپنی عقل کے مطابق قرآن کی تعبیر کرنے لگے تو فکری وحدت متاثر ہوتی ہے اور مختلف، متضاد آراء جنم لیتی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"لا تجتمع أمتي على ضلالة"..[1]

"میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہو گی۔"

یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ ہر نئی تعبیر یا ہر اجتہادی کوشش کو تجدد پسندی قرار دینا درست نہیں۔ اسلام نے ہر دور کے نئے مسائل میں اجتہاد کی اجازت دی ہے، بشرطیکہ وہ:

- قرآن و سنت کے مطابق ہو؛
- اجماعِ امت سے متصادم نہ ہو؛
- عربی زبان اور اصولِ تفسیر کی پابندی کرے؛
- مقاصدِ شریعت کو ملحوظ رکھے۔

اسی لیے جدید مسائل میں اصولی اجتہاد اور غیر اصولی تجدد میں فرق کرنا ضروری ہے۔

تفسیر میں تجدد پسندی کا تنقیدی جائزہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ جب قرآنِ مجید کی تعبیر مستند اصولِ تفسیر، سنتِ نبوی ﷺ اور امت کے متفقہ علمی منہج سے ہٹ کر صرف جدید فکری رجحانات کی بنیاد پر کی جاتی ہے تو اس سے علمی، اعتقادی، فقہی اور معاشرتی سطح پر متعدد منفی نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ اس کے باوجود، اسلام معاصر مسائل کے حل کے لیے اجتہاد کی حوصلہ افزائی کرتا ہے، مگر یہ اجتہاد ہمیشہ قرآن، سنت، اجماع اور اصولِ تفسیر کے دائرے میں ہونا چاہیے۔ اسی متوازن منہج کے ذریعے قرآنِ مجید کی ابدی ہدایت کو ہر دور میں مؤثر انداز سے پیش کیا جا سکتا ہے۔

خلاصۂ تحقیق

اس تحقیق میں تفسیر میں تجدد پسندی کے تصور، تاریخی ارتقاء، فکری اسباب اور نمایاں عصری رجحانات کا تنقیدی مطالعہ کیا گیا۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ جدید دور میں مغربی استعمار، مستشرقین کی تحقیقات، سیکولر فکر، عقلیت پسندی اور سائنسی مادیت نے بعض مسلم مفکرین کی تفسیری فکر کو متاثر کیا، جس کے نتیجے میں قرآنِ کریم کی متعدد آیات کی نئی تعبیرات سامنے آئیں۔

تحقیق سے یہ بھی واضح ہوا کہ بعض جدید مفسرین نے عقل کو وحی پر فوقیت دی، معجزات اور غیبی امور کی تاویل کی، سنتِ نبوی ﷺ کی تشریعی حیثیت کو محدود کرنے کی کوشش کی اور بعض قطعی شرعی احکام کو تاریخی یا وقتی قرار دیا۔ اس طرزِ فکر کے نتیجے میں قرآنِ کریم کی اصل مراد میں ابہام، دینی احکام میں تشکیک، فقہی اختلافات میں اضافہ اور نوجوان نسل میں مذہبی بے یقینی پیدا ہونے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔

تحقیق نے اس امر پر زور دیا کہ اسلام میں اجتہاد اور عصری مسائل کا حل ایک مسلمہ اصول ہے، لیکن یہ اجتہاد قرآن، سنت، اجماع، مقاصدِ شریعت اور اصولِ تفسیر کے دائرے میں ہونا چاہیے۔ مستند اسلامی منہج ہی جدید چیلنجز کا مؤثر اور متوازن حل فراہم کر سکتا ہے۔

نتائجِ تحقیق

1. تفسیر میں تجدد پسندی کے بعض رجحانات اصولِ تفسیر سے انحراف کا سبب بنتے ہیں۔
2. عقل کو وحی پر مقدم کرنے سے اسلامی عقائد میں شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں۔
3. معجزات اور غیبی حقائق کی غیر ضروری تاویل قرآن کے ظاہری اور متفقہ مفہوم کو متاثر کرتی ہے۔
4. سنتِ نبوی ﷺ کی تشریعی حیثیت کو محدود کرنے سے اسلامی قانون اور فقہی نظام کمزور ہوتا ہے۔
5. مغربی فکری نظریات کی غیر تنقیدی تقلید قرآن کی اصل تعلیمات سے دوری کا باعث بن سکتی ہے۔

---

[1] الترمذي، محمد بن عيسى، السنن الترمذی شریف، دار الغرب الإسلامي–بيروت الطبعة: الأولى، 1996م، ج2، ص140، ح2167

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.03 (2025)

سفارشات و تجاویز

1. جامعات اور دینی مدارس میں اصولِ تفسیر، علومِ قرآن اور اصولِ اجتہاد کی تدریس کو مزید مضبوط بنایا جائے۔
2. جدید فکری رجحانات کا علمی اور تنقیدی جائزہ لینے کے لیے تحقیقی مراکز قائم کیے جائیں۔
3. نوجوان نسل کو مستند تفاسیر اور کلاسیکی اسلامی علمی ورثے سے روشناس کرایا جائے۔
4. معاصر مسائل کے حل کے لیے ایسے اجتہادی تحقیقی منصوبے تیار کیے جائیں جو قرآن، سنت اور اجماع کے مطابق ہوں۔
5. سوشل میڈیا اور ڈیجیٹل ذرائع پر مستند قرآنی تفاسیر اور تحقیقی مواد کی اشاعت کو فروغ دیا جائے۔

مصادر و مراجع

1. قرآن کریم
2. ابو داؤد، سلیمان بن اشعث، سنن ابو داؤد، ادارۃ الحرم لاہور، 1316ھ
3. ابن ماجہ، محمد بن زید، سنن ابن ماجہ، قدیمی کتب خانہ، آرام باغ کراچی، س ش نامعلوم
4. ابن کثیر، حافظ ابو الفداء عماد الدین اسماعیل ابن عمر، دار الطیبہ، للنشر والتوزیع، طبع ثانیہ، 1420ھ
5. بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، مکتبہ سید احمد شہید اکوڑہ خٹک، 1305ھ
6. بلخی، افتخار احمد ، فتنہ انکار حدیث کا منظر و پس منظر، (مکتبہ رحمانیہ ، لاہور ، س ن)
7. بیہقی، ابو بکر احمد بن حسین، شعب الایمان، تحقیق محمد سعید بسیونی، دارالکتب العلمیہ بیروت، 1410ھ
8. ترمذی، الامام ابو عیسٰی محمد بن عیسٰی، سعید ایچ ایم کمپنی کراچی، س ش نامعلوم
9. التبریزی، محمد بن عبداللہ، مشکوۃ المصابیح، المکتبۃ الاسلامیہ بیروت، 1405ھ
10. چوہدری غلام احمد پرویز، نظام ربوبیت (لاہور ، طلوع اسلام ، طبع چہارم ، ۱۹۹۵ء)
11. حنبل، امام احمد ابن حنبل، مسند حنبل، مؤسسۃ قرطبہ القاھرہ، س ش نامعلوم
12. دارمی، عبداللہ بن عبدالرحمٰن، سنن دارمی، دارالکتاب العربی بیروت، 1407ھ
13. زبیدی، محمد بن محمد، تاج العروس من جواہر القاموس، دارالہدایۃ، بیروت س ش نامعلوم
14. طبرانی، سلیمان بن احمد، المعجم الکبیر (محقق) مکتبۃ العلوم والحکم موصل، 1404ھ
15. طبری، ابو جعفر محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک (تاریخ طبری)، دارالکتب العلمیۃ بیروت، 1407ھ
16. علاؤالدین، علی بن حسام، کنز العمال، مؤسسۃ الرسالۃ الطبعۃ الخامسہ، 1401ھ
17. عسقلانی، ابن حجر، تہذیب التہذیب، مطبع دائرۃ النظامیہ الہند، طبع اول، 1326ھ
18. لاہوری، محمد علی، بیان القرآن (احمد یہ انجمن اشاعت اسلام ، لاہور ، سن)،
19. مسلم، مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی، طبع ثانیہ 1375ھ
20. مودودی ، سید ابوالا علی ، تجدید و احیائے دین (لاہور: اسلامک پبلی کیشنز، ۲۰۱۰)

- Browning, W.R.F. "Biblical Criticism", A Dictionary of the Bible, 1997, Retrieved October 4, 2015 from http://www.encyclopedia.com
- Robinson, B.A. Biblical Criticism...Ontario Consultants on Religious Tolerance 2008, Retrieved March 18,2015 from http://www.religioustolerance.org/chr_hcri.htm
- De Haeresibus by John of Damascus. See Migne. Patrologia Graeca, vol. 94, 1864, cols 763-73. An English translation by the Reverend John W Voorhis appeared in THE MOSLEM WORLD for October 1954,